بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التقلید والتلفیق

جناب ڈاکٹر عبدالواحد جامعہ مدنیہ لاہور

الحمد للہ الذی شرع لنا اتباع الکتاب والسنۃ دینا وسبیلا ووضع لشرحھما تفقہ العلماء واجماع الامۃ معینا ودلیلا۔ والصلاۃ والسلام علی رسولہ النبی الامی الذی جعل السوال شفاء لمن کان بداء العی علیلا۔ اللھم صل وسلم علیہ وعلی الہ وصحبہ الاصفیاء وورثتہ من العلماء والاولیاء صلاۃ وسلاما ابدا طویلا۔ اما بعد

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف عقد الجید میں لوگوں کی باعتبار فقہی مذاہب کے یوں تقسیم کی ہے۔

۱۔ مجتہدین ـــــ یہ تین قسم کے ہوتے ہیں: (i) مجتہد مطلق مستقل (ii) مجتہد مطلق منتسب۔ (iii) مجتہد فی المذاہب۔

۲۔ مقلدین ـــــ ان کی دو قسمیں ہیں: (i) المتبحر فی المذاہب (۲) مقلد محض یا عامی صرف۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی کے الفاظ میں ان اقسام کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

قال البغوی والمجتھد من جمع خمسۃ انواع من العلم علم کتاب اللہ عزّ وجلّ وعلم سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلم اقاویل علماء السلف من اجماعھم واختلافھم وعلم اللغۃ وعلم القیاس وھو طریق استنباط الحکم عن الکتاب والسنۃ اذا لم یجدہ صریحا فی نص الکتاب او سنۃ او اجماع [۱]

بغوی رحمہ اللہ نے کہا ہے مجتہد وہ شخص ہے جو پانچ علوم کا جامع ہو۔ (۱) کتاب اللہ کا علم

---

[۱] عقد الجید: صفحہ ۱۱: مطبوعہ قرآن محل کراچی۔

(۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم (۳) علمائے سلف کے اقوال کا علم کہ وہ کس مسئلہ میں متفق ہیں اور کس میں مختلف (۴) علم لغت عربی (۵) علم قیاس — اور قیاس قرآن وحدیث سے حکم نکالنے کا ایک طریقہ ہے جب کہ مجتہد کو نص قرآن وحدیث اور اجماع میں صراحت کے ساتھ مطلوبہ حکم نہ ملے۔

واذا لم يعرف نوعا من هذه الانواع فسبيله التقليد وان كان متبحرا في مذهب واحد من احاد ائمة السلف [1]

اگر ان علوم پنجگانہ میں سے کسی ایک سے بھی ناواقف ہو تو اس کا راستہ تقلید کرنا ہے اگرچہ وہ شخص ائمہ سلف میں سے کسی ایک کے مذہب میں ماہر کامل ہی ہو۔

۱۔ مجتہد مطلق مستقل

وقد صرح الرافعي والنووي وغيرهما ممن لا يحصى كثرة ان المجتهد المطلق على قسمين مستقل ومنتسب ويظهر من كلامهم ان المستقل يمتاز عن غيره بثلاث خصال۔

ترجمہ: رافعی اور نووی رحمہما اللہ وغیرہ نے صراحۃً بیان کیا ہے کہ مجتہد مطلق کی دو قسمیں ہیں مستقل اور منتسب اور ان علماء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد مستقل دوسرے مجتہدوں سے تین باتوں میں ممتاز ہوتا ہے۔

ا: التصرف في الاصول التي عليها بناء مجتهداته۔

ترجمہ: ان اصول میں تصرف کرنا جن پر اس کے اجتہادی مسائل مبنی ہیں۔

ب: تتبع الآيات والاحاديث والآثار لمعرفة الاحكام التي سبق بالجواب فيها واختيار بعض الادلة المتعارضة على بعض وبيان الراجح من محتملات والتنبه لماخذ الاحكام من تلك الادلة۔

ترجمہ: جن احکام کا پہلے جواب ہو چکا ہے ان کو معلوم کرنے کے لیے آیات احادیث اور آثار کی

---

[1] عقد الجید: ص ۱۴: مطبوعہ قرآن محل کراچی۔

تلاش وجستجو کرنا۔ متعارض دلائل میں سے کسی ایک کو اختیار کرکے اس کے راجح معنی کو بیان کرنا اور ان دلائل سے ماخذ احکام پر متنبہ ہونا۔

ج۔ الکلام فی المسائل التی لم یسبق بالجواب فیہا اخذا من تلک الادلۃ۔

ج۔ اور ان دلائل سے ان مسائل میں کلام کرنا جن کا جواب نہیں ہوا ہے۔

یہی مجتہد مطلق مستقل ہیں جن کے بارے میں علامہ مناوی رحمہ اللہ[1] فیض القدیر میں لکھتے ہیں:

ویجب علینا ان نعتقد ان الائمۃ الاربعۃ والسفیانین والاوزاعی داؤد الظاھری واسحٰق بن راھویہ وسائر الائمۃ علی ھدی۔

ترجمہ: یعنی ہم پر واجب ہے کہ ہم ائمہ اربعہ یعنی ابوحنیفہؒ مالکؒ شافعیؒ احمد بن حنبل اور سفیان ثوری و سفیان بن عیینہ اوزاعی داؤد ظاہری اسحاق بن راہویہ اور دیگر تمام ائمہ کے بارے میں یہ اعتقاد رکھیں کہ وہ ہدایت پر تھے۔

۲۔ مجتہد مطلق منتسب

والمنتسب من سلم اصول شیخہ واستعان بکلامہ کثیرا فی تتبع الادلۃ والتنبہ للماخذ وھو مع ذلک مستیقن بالاحکام من قبل ادلتہا قادر علی استنباط المسائل منہا قل ذالک منہ او کثر[2]

ترجمہ: مجتہد منتسب وہ ہے جو اپنے شیخ کے اصول کو تسلیم کرے اور اکثر و بیشتر دلائل کی تلاش اور ماخذ پر تنبہ حاصل کرنے کے لیے اس کے کلام سے مدد لے اور اس کے باوجود وہ ان احکام فقہی پر دلائل کے ساتھ یقین رکھتا ہو اور ان دلائل سے مسائل کے استنباط پر قدرت رکھتا ہو خواہ مسائل کم ہوں یا زیادہ۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نافع کبیر میں اس کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

وھو ان ینتسب الی امام معین من الائمۃ المجتہدین لکن لا یقلدہ لا فی المذھب ولا فی الدلیل لاتصافہ بآلات الاجتہاد وانما انتسب الیہ

---

[1] عقد الجید، ص ۱۵ مطبوعہ قرآن محل کراچی۔

[2] 〃 〃 ص ۱۶: 〃 〃 〃 〃 〃

سلوکہ طریقہ فی الاجتہاد۔

ترجمہ: یہ وہ شخص ہے جو ائمہ مجتہدین میں سے کسی خاص امام کی طرف اپنا انتساب کرتا ہو لیکن بوجہ خود اجتہاد کے ساتھ متصف ہونے کے نہ تو اس کی تقلید مذہب میں کرتا ہو اور نہ دلیل میں۔ اس کی طرف اس کی نسبت محض اجتہاد میں اس کے طریقے کو اختیار کرنے کی بنا پر ہوتی ہے۔

ان کی مثالیں یہ ہیں — امام مالک رحمہ اللہ کے ساتھ منتسب ابن قاسم اور اصبغ امام ابوحنیفہ کے ساتھ ابو یوسف اور محمد امام شافعیؒ کے ساتھ مزنی اور ربیع رحمہم اللہ۔

۳۔ مجتہد فی المذہب

وھو مقلد لامامہ فیما ظھر فیہ نصہ لکنہ یعرف قواعد امامہ وما بنی الیہ مذھبہ فاذا وقعت حادثۃ لم یعرف لامامہ فیھا نصا اجتھد فیھا علی اقوالہ وعلی منوالہ[1]

ترجمہ: یہ جن مسائل میں امام کی رائے صراحۃً مذکور ہو ان میں اپنے امام کی تقلید کرتا ہے لیکن امام کے قواعد اور اس کے مذہب کی بنیاد سے بخوبی واقف ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جس میں امام کی صریح رائے موجود نہ ہو تو یہ امام کے اقوال سے اسی کے طریقہ پر اجتہاد کر کے مسئلہ کا استنباط کرلیتا ہے

۴۔ المتبحر فی المذہب — مجتہد الفتیا (مجتھد فی الفتوٰی یعنی مفتی)

ھو المتمکن من ترجیح قول علیٰ اٰخر و وجہ من وجوہ الاصحاب علیٰ اٰخر[2] — من شرطہ ان یکون صحیح الفھم عارفا بالعربیۃ واسالیب الکلام ومراتب الترجیح متفطنا لمعانی کلامھم لا یخفی علیہ غالبا تقیید ما یکون مطلقا فی الظاھر والمراد منہ المقید واطلاق ما یکون مقیدا فی الظاھر والمراد منہ المطلق[3]

---

[1] عقد الجید ص ۱۶ ״ ״ ״

[2] ایضاً: ص ۱۷ ״ ״ ״ ״

[3] ایضاً: ص ۸۹ ״ ״ ״ ״

ترجمہ : یہ اس بات پر قادر ہوتا ہے کہ امام کے ایک قول کو دوسرے اور امام کے اصحاب کی ایک وجہ کو دوسری پر ترجیح دے سکے ـــــ ایسے عالم کی شرط یہ ہے کہ صحیح الفہم عربی زبان سے واقف اسالیب کلام اور مراتب ترجیح کا عارف فقہاء کے کلام کے سمجھنے میں نہایت تیز ہو اور جو ظاہر میں مطلق ہو لیکن اس سے مراد مقید ہو اور جو ظاہر میں مقید ہو اس سے مراد مطلق ہو اکثر و بیشتر مواقع پر اس سے پوشیدہ نہ ہو۔ ان میں اصحاب تخریج۔ اصحاب ترجیح اور مقلدین کا وہ طبقہ کہ جو اقوی اور قوی اور ضعیف اور ظاہر مذہب وغیرہ کے مابین تمیز کر سکتا ہو شامل ہیں۔

۵۔ عامی محض

اس کے بارے میں علامہ عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کفوی رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

واما الذین هم دون ذلك فانهم كانوا ناقصین عامین یلزمهم تقلید علماء عصرهم وفقهاء دهرهم ویحل لهم ان یفتوا الا بطریق الحكایة فیحكی ما یضبطه من افواه العلماء ویحفظه من اقوال الفقهاء [1]

ترجمہ: رہے وہ لوگ جو ان سے بھی کمتر درجے کے ہیں تو وہ تو ناقص اور عامی ہیں۔ ان کو اپنے ہم عصر علماء و فقہاء کی تقلید لازم ہے اور ان کے لیے صرف یہ جائز ہے۔ کہ وہ (متقدمین کے اقوال) نقل کر کے فتوٰی دیں۔ پس جو علماء کی زبانی سنا ہو اور فقہاء کے جو اقوال یاد کیے ہوں ان کو نقل کر دے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات ہمارے سامنے آگئی کہ غیر مجتہدین کے لیے خواہ وہ متبحر فی المذہب ہوں یا عامی محض اپنے امام و مذہب کی تقلید واجب ہے تو ہمارے لیے یہ موقع پیش آیا کہ تقلید کے بارے میں چند ضروری باتیں ذہن نشین کر لیں۔ ان کو ہم چند عنوانات کے تحت لیں گے مثلاً۔ (۱) تقلید کا مطلب (۲) تقلید کی ضرورت اور اس کا محل (۳) تقلید کی مشروعیت کے دلائل (۴) تقلید اور تعامل صحابہ (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے جواب (۶) تقلید شخص کی مشروعیت کے دلائل (۷) تقلید شخصی کا وجوب اور اس کی ضرورت (۸) مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار کیوں۔

---

[1] مقدمہ حاشیہ عمدہ الرعایہ علی شرح الوقایۃ

I - تقلید کا مطلب

لغت میں کہتے ہیں قلّدہ القلادۃ : ہار پہنانا۔ تقلدت المرأۃ القلادۃ - عورت کا ہار پہننا۔

اصطلاح میں تقلید کہتے ہیں۔ بقول ابن ہمام کے تحریر میں: العمل بقول من لیس قولہ احدی الحجج بلا حجۃ منہا۔

ترجمہ: یعنی جس شخص کا قول حجت نہ ہو اس کے قول پر بغیر مطالبہ دلیل کے عمل کرنا۔

اور ابن حاجب رحمہ اللہ کے الفاظ میں:

"العمل بقول الغیر من غیر حجۃ"

اور محمد بن عبدالمالک بغدادی کے نزدیک: ھو قبول قول الغیر من غیر معرفۃ دلیلہ۔

وجہ تسمیہ | وجہ تسمیہ

چونکہ مجتہد اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے مقلد کے عمل کی صحت کا ضامن ہوتا ہے اس لیے یہ ایسا ہے گویا کہ مقلد اپنے عمل کو اپنے امام و مجتہد کے گلے کا ہار بناتا ہے اگرچہ معروف یہی ہے کہ مقلد مجتہد کے اقوال کو اپنی گردن کا ہار بناتا ہے۔

تقلید کی ضرورت اور اس کا محل

مذکورہ تقسیم اور عام مشاہدہ و تجربہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ علم و فہم اور معانی کے استنباط کے اعتبار سے لوگوں میں تفاوت پایا جاتا ہے۔ بعض لوگ ان امور میں بہت آگے ہوتے ہیں جبکہ بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے اندر استنباط و اجتہاد کی صلاحیت سرے سے مفقود یا کم ہوتی ہے۔

لہ خلاصۃ "التحقیق علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ ص ۴

اسی کے ساتھ ہم دیکھتے ہیں کہ مسائل چند قسم کے ہیں :

اوّل اول وہ جن میں نصوص متعارض ہیں۔

دوم : وہ جن میں اگرچہ نصوص متعارض نہیں مگر ایک سے زائد معانی کا احتمال رکھتی ہیں گو اختلاف نظر سے کوئی معنی قریب کوئی بعید معلوم ہوتے ہوں۔

سوم : وہ جن میں تعارض بھی نہ ہو اور ان میں ایک ہی معنی ہو سکتے ہوں۔

چہارم : وہ جن کے بارے میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی۔

پس قسم اول میں تعارض کو دور کرنے کے لیے مجتہد کو اجتہاد کی اور غیر مجتہد کو تقلید کی ضرورت ہوگی۔

قسم ثانی جو ظنی الدلالۃ کہلاتی ہے اس میں ایک احتمال کی تعیین کے لیے اجتہاد و تقلید کی حاجت ہوگی۔

قسم ثالث جو قطعی الدلالۃ کہلاتی ہے اس میں نہ اجتہاد جائز ہے اور نہ ہی تقلید قسم چہارم میں مجتہد کو اجتہاد اور مقلد کو تقلید کرنا ہوگی۔ اس طرح تقلید کا محل متعین ہو گیا کہ جہاں مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت پیش آئے گی وہیں غیر مجتہد کو تقلید کرنی ہوگی۔

III تقلید دو قسم پر ہے :

اوّل : تقلید مطلق یا تقلید عام یا غیر شخصی تقلید ـــــ یعنی جب ضرورت پیش آئے کسی بھی مجتہد سے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیا۔

دوم : تقلید مقید یا شخصی تقلید ـــــ کسی ایک مجتہد ہی سے تمام مسائل کا حل معلوم کر کے عمل کرنے

تقلید کی مشروعیت کے دلائل

تقلید کوئی نئی چیز نہیں تھی کہ جس کو خیر القرون کے بعد ایجاد کر لیا گیا ہو یہ نہ صرف قرآن و حدیث سے ثابت بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے دور میں اس کی دونوں صورتیں پائی جاتی تھیں۔ بعد میں جب حالات کا تغیر ہوا اور نفس پرستی سرایت کر گئی تو صرف تقلید شخصی کو باقی رکھا گیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔

۱۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النحل ۴۳)

اگر تم کو علم نہ ہو تو اہل علم سے سوال کرو۔

چونکہ اصول تفسیر اور اصول فقہ کا مسلم قاعدہ ہے کہ العبرۃ بعموم اللفظ لا لخصوص المورد۔ تو اس آیت میں دلالۃ النص سے یہ اصولی ہدایت ملی کہ جو لوگ کسی علم وفن کے ماہر نہ ہوں انہیں چاہیئے کہ وہ اس علم کے ماہرین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کریں اور یہی چیز تقلید کہلاتی ہے

۲۔ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون [1]۔

(ترجمہ پس کیوں نہ نکل پڑا ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ تاکہ یہ لوگ دین میں تفقہ حاصل کریں اور تاکہ لوٹنے کے بعد اپنی قوم کو ہوشیار کریں شاید کہ وہ لوگ (اللہ کی نافرمانی سے) بچیں)

اس آیت نے علم کے لیے مخصوص ہو جانے والی جماعت پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ دوسروں کو احکام شریعت سے باخبر کرے اور دوسروں کے لیے اس بات کو ضروری قرار دیا ہے کہ وہ انکے بتلائے ہوئے احکام پر عمل کریں اور اس طرح اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہیں اسی کا نام تقلید ہے۔

حدیث میں ہے۔

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من رفتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔ [2]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کو بے تحقیق کوئی فتویٰ دے گا تو اس کا گناہ اس فتویٰ دینے والے کو ہوگا اگر تقلید جائز نہ ہوتی اور کسی کے فتویٰ پر بغیر دلیل کو معلوم کیے عمل جائز نہ ہوتا جو کہ تقلید کا حاصل ہے تو گناہگار ہونے میں مفتی کی کیا تخصیص تھی بلکہ جس طرح مفتی کو غلط فتویٰ بتانے کا گناہ ہوتا اسی طرح سائل کو دلیل کی تحقیق نہ کرنے کا گناہ بھی ہوتا۔ تو جب شارع علیہ السلام نے سائل کو باوجود دلیل کی تحقیق نہ کرنے کے

---

[1] التوبہ: ۱۲۲۔ [2] مشکوٰۃ بحوالہ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ص ۹

گناہگار نہیں ٹھہرایا تو تقلید کا جواز یقیناً ثابت ہوگیا۔

۲- عن الاسود بن یزید قال اتانا معاذ بالیمن معلما و امیرا فسالناہ عن رجل توفی وترک ابنۃ و اختا فقضی للابنۃ بالنصف و للاخت النصف و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی لہ

ترجمہ: اسود بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں معلم اور حاکم بن کر آئے۔ ہم نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص مرگیا اور اس نے ایک بہن وارث چھوڑی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نصف کا بیٹی کیلئے اور نصف کا بہن کے لیے حکم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زندہ تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تقلید جاری تھی کیونکہ جیسا کہ گزرا تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتائے گا اور اس سے دلیل کا مطالبہ نہ کرنا۔ اس قصہ میں سائل نے دلیل دریافت نہیں کی اور محض ان کے تدین کے اعتماد پر قبول کر لیا اور یہی تقلید ہے۔ اور یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں۔ پھر اس جواب کے اتباع و عمل پر جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تھا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انکار ثابت ہے اور نہ کسی سے اختلاف ورد منقول ہے۔ لہٰذا اس سے تقلید کا جواز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا بلا نکیر شائع ہونا ثابت ہے۔

۳- عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر و عمر

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کتنا عرصہ تمہارے درمیان رہوں گا پس تم میرے بعد دو شخصوں کی اقتداء کرنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی۔

لہ بخاری بحوالہ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد۔ ص ۹

تقلید اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم

۱ - عن سالم قال سئل ابن عمر عن رجل یکون له الدین علی رجل الی اجل فیضع عنه صاحب الحق لیعجل الدین فکره ذلك ونهی عنه - [1]

حضرت سالم سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ کسی شخص کا دوسرے شخص پر کچھ دین میعادی واجب ہے اور صاحب حق اس میں سے کسی قدر اس شرط سے معاف کرتا ہے کہ وہ قبل از میعاد اس کا دین دے دے۔ آپ نے اسکو ناپسند کیا اور منع فرمایا۔

اس مسئلہ میں سائل نے دلیل نہیں پوچھی اس لیے اس کا قبول کرنا تقلید ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دلیل بیان نہ کرنا خود اس بات پر دلیل ہے کہ تقلید جائز ہے۔

۲ - عن سلیمان بن یسار ان ابا ایوب الانصاری رضی الله عنه خرج حاجا حتی اذا کان بالبادیة من طریق مکة اضل رواحله وانه قدم علی عمر بن الخطاب یوم النحر فذکر ذلك له فقال اصنع ما یصنع المعتمر ثم قد حللت فاذا ادرکك الحج قابلا فاحج واهد ما استیسر من الهدیٰ [2]

ترجمہ: سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ حج کو نکلے جس وقت مکہ کی راہ میں جنگل میں پہنچے تو اونٹنیاں کھو بیٹھے اور یوم النحر میں (جب کہ حج ہو چکا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور یہ سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا جو عمرہ والا کیا کرتا ہے اب تم بھی وہی کرو پھر تمہارا احرام کھل جائے گا۔ پھر جب سال آئندہ حج کا زمانہ آئے تو حج کرو اور جو کچھ میسر ہو قربانی ذبح کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ اجتہاد نہ کر سکتے تھے وہ مجتہدین صحابہ کی تقلید کرتے تھے

---

[1] موطا امام مالک باب ماجاء فی الربا فی الدین - بحوالہ تقلید کی شرعی حیثیت ص ۳۴۔

[2] موطا امام مالک بحوالہ الاقتصاد ص ۱۱۔

کیونکہ حضرت ابوایوب انصاری بھی صحابی ہیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فتویٰ کی دلیل نہیں پوچھی۔

۳۔ عن مصعب بن سعد قال کان ابی اذا صلی فی المسجد تجوز واتم الرکوع والسجود واذا صلی فی البیت اطال الرکوع والسجود والصلاۃ قلت یا ابتاہ اذا صلیت فی المسجد جوزت واذا صلیت فی البیت اطلت قال یا بنی انا ائمۃ یقتدی بنا۔ [1]

مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ میرے والد (سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ) جب مسجد میں نماز پڑھتے تو رکوع اور سجدہ پورا تو کر لیتے مگر اختصار سے کام لیتے اور جب گھر میں نماز پڑھتے تو رکوع سجدہ اور نماز (کے دوسرے ارکان) طویل فرماتے۔ میں نے پوچھا ابا جان آپ جب مسجد میں نماز پڑھتے ہیں تو اختصار سے کام لیتے ہیں اور جب گھر میں پڑھتے ہیں تو طویل نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت سعد نے جواب دیا کہ بیٹے ہم (لوگوں کے) پیشوا ہیں لوگ ہماری اقتداء کرتے ہیں۔ (یعنی لوگ ہمیں طویل نماز پڑھتے دیکھیں گے تو اتنی لمبی نماز پڑھنا ضروری سمجھیں گے اور جا و بیجا اس کی پابندی شروع کر دیں گے)۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عام لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے صرف اقوال ہی کی تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ بڑے صحابہ کا صرف عمل دیکھ کر اس کی بھی تقلید کی جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ عمل دیکھ کر اس کی اقتداء کرنے میں دلائل کی تحقیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تقلید پر اعتراضات

تقلید پر ابن حزم اور ابن قیم رحمہما اللہ نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں اور اس کو حرام تک قرار دیا ہے۔ ان دونوں کے اعتراضات اور ان کے جوابات خوب بسط کے ساتھ اعلاء السنن کے مقدمہ قواعد فی علوم الفقہ میں دیئے گئے ہیں۔ ہم یہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا عقد الجید کے باب

---

[1] (مجمع الزوائد بحوالہ تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۳۶)

سوم سے وہ جواب نقل کرتے ہیں جو انہوں نے ابن حزم کے اعتراض پر دیا ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ کا اعتراض

فماذهب اليه ابن حزم حيث قال التقليد حرام ولا يحل لاحد ان ياخذ قول احد غير رسول الله صلى الله عليه وسلم بلا برهان لقوله تعالىٰ اتبعوا ما انزل اليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه اولياء وقوله تعالىٰ واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه اٰباءنا وقال الله تبارك وتعالىٰ مادحا لمن لم يقلد فبشر عبادى الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه اولئك الذين هداهم الله واولئك هم اولوا الالباب وقال الله تبارك وتعالىٰ فان تنازعتم فى شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الاٰخر۔

فلم يبح الله الرد عند التنازع الى احد دون القرأن والسنة وحرم بذلك الرد عند التنازع الى قول قائل لانه غير القرأن وسنة وقد صح اجماع الصحابه كلهم اولهم عن اٰخرهم واجماع التابعين اولهم عن اٰخرهم واجماع تبع التابعين اولهم عن اٰخرهم على الامتناع والمنع من ان يقصد احد الى قول انسان منهم ومن قبلهم فياخذه كله۔ فليعلم من اخذ بجميع اقوال ابى حنيفة اوجميع اقوال مالك او جميع اقوال الشافعى اوجميع اقوال احمد ولا يترك قول من اتبع منهم اومن غيرهم الى قول غيره ولم يعمل على ماجاء فى القرأن والسنة غير صارف ذلك الى قول انسان بعينه انه قد خالف اجماع الامة كلها اولها عن اٰخرها بيقين لا اشكال فيه وانه لا يجد لنفسه سلفا ولا اماما فى جميع الاعصار المحمودة الثلاثة فقد اتبع غير سبيل المؤمنين نعوذ بالله من هذه المنزلة۔

ترجمہ: ابن حزم کہتے ہیں کہ "تقلید حرام ہے اور کسی کو جائز نہیں کہ وہ کسی کا قول بلا دلیل سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کرلے بوجہ فرمان خداوندی کے "جو تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو خدا کو چھوڑ کر رفقاء کے پیچھے نہ چلو"۔ اور فرمایا اللہ تعالےٰ نے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو خدا نے نازل فرمایا ہے اس کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اباؤ اجداد کو پایا ہے" نیز تقلید نہ کرنے والے کی مدح فرماتے ہوئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "آپ خوشخبری دے دیجئے میرے ان بندوں کو جو بات سنتے اور اس میں سے بہتر کی اتباع کرتے ہیں ان ہی کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی عقلمند ہیں" مزید فرمایا "اگر تم کسی امر میں جھگڑنے لگو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو" اللہ تعالیٰ نے تنازع کے وقت کتاب و سنت کے علاوہ کسی قائل کے قول کی طرف رجوع کو جائز نہیں رکھا۔

اور صحابہ کا اوّل سے آخر تک اور تابعین و تبع تابعین کا اوّل سے آخر تک یہ اجماع ہو چکا ہے کہ اس سے خود بھی باز رہا جائے اور دوسروں کو بھی منع کیا جائے کہ وہ اپنے میں کے ایک انسان یا سلف کے کسی شخص کے تمام اقوال کو اختیار کرلے۔ اس شخص کو معلوم ہونا چاہیئے جو ابو حنیفہ یا مالک یا شافعی یا احمد رحمہم اللہ کے تمام اقوال کو لیتا ہے اور جس کی اتباع کر رہا ہے اسے چھوڑ کر دوسرے کا قول تسلیم نہیں کرتا اور قرآن و حدیث پر بھی اس وقت تک عمل نہیں کرتا جب تک اس کو معین شخص کے قول کی طرف نہیں لے جاتا۔ بیشک اس شخص نے امت کے اول سے آخر تک کے اجماع کی بغیر کسی اشکال کے مخالفت کی۔ نیز اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جب وہ پسندیدہ قرون ثلاثہ میں اپنے لیے کوئی راہنما نہیں رہا تو وہ مسلمانوں کے راستے کے علاوہ کی اتباع کر رہا ہے۔ ہم اس درجہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ جواب میں فرماتے ہیں:

ولیس محلہ فی من لایدین الا بقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا یعتقد حلالا الا ما احلہ اللہ ورسولہ ولا حراما الا ما حرمہ اللہ ورسولہ ولکن لما لم یکن لہ

علم بما قاله النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا بطریق الجمع بین المختلفات من کلامه ولا بطریق الاستنباط من اتبع عالما راشدا علی انه مصیب فیما یقول ویفتی ظاهرا متبع سنة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فان ظهر خلاف مایظنه اقلع من ساعته من غیر جدال ولا اصرار فهذا کیف ینکره احد مع ان الاستفتاء والافتاء لم یزل بین المسلمین من عهد النبی صلی اللہ علیه وسلم ولا فرق بین ان یستفتی هذا اما دائما لا یستفتی هذا احیانا بعد ان یکون مجمعا علی ما ذکرناه کیف لا ولم نؤمن بفقیه ایا کان انه اوحی اللہ الیه الفقه وفرض علینا طاعته او انه معصوم۔

فان افتدینا بواحد منهم فذلک لعلمنا انه عالم بکتاب اللہ وسنة رسوله فلا یخلو قوله اما ان یکون من صریح الکتاب والسنة او مستنبطا عنهما بنحو من الاستنباط او عرف بالقرائن ان الحکم فی صورة مامنوط بعلة کذا واطمئن قلبه تلک المعرفة فقاس غیر المنصوص علی المنصوص فکانه یقول ظننت ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال کلما وجدت هذه العلة فالحکم ثمه هکذا والمقیس مندرج فی هذا العموم فهذا ایضا معزو الی النبی صلی اللہ علیه وسلم ولکن فی طریقه ظنون ولولا ذالک لما قلدمومن لمجتهد [1]

ابن حزم کے قول کا محل وہ شخص نہیں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق دین اختیار کرتا ہے اور جو اللہ اور اس کے رسول نے حلال کر دیا اس کے حلال ہونے اور جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے لیکن چونکہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا علم نہیں اور نہ ہی اس کو یہ علم ہے کہ آپ کے بظاہر متعارض کلام میں کیسے تطبیق دی جاتی ہے اور آپ کے کلام سے کیسے

---

[1] عقد الجید باب سوم

استنباط کیا جاتا ہے تو اس نے یہ خیال کرتے ہوئے ایک عالم راشد کی اتباع کر لی کہ وہ جو کہتا ہے اور فتویٰ دیتا ہے اس میں وہ ظاہر میں مصیب ہے اور وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہے۔ اگر اسے اس کے گمان کے خلاف معلوم ہوا تو وہ اسی وقت بلا کسی جھگڑے اور اصرار کے باز آجائے تو اس کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے؟ جبکہ فتویٰ لینا اور دینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آرہا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ ہمیشہ اسی ایک سے فتویٰ لیتا رہے یا کبھی اس سے دریافت کر لیا اور کبھی دوسرے سے لیکن شرط یہ ہے کہ ہمارے ذکر کردہ اصول پر قائم ہو۔ کیوں نہیں؟ جب ہم کسی بھی فقیہ پر یہ ایمان نہیں لائے کہ اس پر خدا نے فقہ وحی کی ہے اور ہم پر اس کی اطاعت فرض ہے یا وہ معصوم ہے۔

پس اگر ہم ان فقہاء میں سے کسی کی اقتداء کرتے ہیں تو یہ سمجھ کر کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے اس لیے یا تو اس کا قول صریح کتاب و سنت سے ہوگا یا ان دونوں سے مستنبط ہوگا کسی قسم کا بھی استنباط ہو یا اس کے قرائن سے معلوم کیا کہ حکم فلاں علت کی وجہ سے ہے اور اس کو اس معرفت پر اطمینان قلب حاصل ہو گیا چنانچہ اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا گویا وہ یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاں تم یہ علت پاؤ وہاں یہ حکم ہوگا اور قیاس کردہ مسئلہ اس عموم میں داخل ہے تو یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے لیکن اس کے طریق میں شک ہے اگر یہ تمام امور نہ ہوتے تو کوئی مؤمن کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔

اس پورے کلام سے ظاہر ہو گیا کہ تقلید کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی بناء پر اعتراضات کیے گیے ہیں۔ اگر اس کی حقیقت کو سمجھ لیا جائے تو کسی بھی صاحب فہم شخص سے توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس پر کوئی اعتراض کر سکے۔ اور کیونکر کر سکتا ہے جب کہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور صحابہ و تابعین کا تعامل بھی اس کے جواز پر دال ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تقلید شخصی کی مشروعیت کے دلائل

۱- عن حذیفۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لا ادری ما قدر بقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی واشار الی ابی بکر وعمر [1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم نہیں کہ تم لوگوں میں کب تک (زندہ) رہوں گا سو تم لوگ ان دونوں شخصوں کا اقتدا کیا کرنا جو میرے بعد ہوں گے اور اشارہ سے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو بتلایا۔

من بعدی سے مراد ان صاحبوں کی حالت خلافت ہے کیونکہ بلا خلافت تو دونوں آپ سے روبرو بھی موجود تھے لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ان کے خلیفہ ہونے کی حالت میں ان کا اتباع کرنا اور ظاہر ہے کہ خلیفہ ایک ایک ہوں گے لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ان کا اتباع کرنا۔ پس ایک خاص زمانہ تک ایک معین شخص کے اتباع کا حکم فرمایا اور یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان سے احکام کی دلیل بھی دریافت کر لیا کرنا اور نہ یہ عادت مستمرہ تھی کہ ہر مسئلہ میں دلیل کی تحقیق کی جاتی ہو اور یہی تقلید شخصی کی حقیقت ہے کہ ایک شخص کو جو مسئلہ پیش آئے وہ کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کیا کرے اور اس سے معلوم کر کے عمل کیا کرے۔

۲- عن ھذیل بن شرجیل فی حدیث طویل مختصرہ قال سئل ابو موسیٰ ثم سئل ابن مسعود واخبر بقول ابی موسیٰ مخالفہ ثم اخبر ابو موسیٰ بقولہ فقال لا تسالونی ما دام ھذا الحبر فیکم [2]

خلاصہ اس طویل حدیث کا یہ ہے کہ ہذیل بن شرجیل سے روایت ہے کہ حضرت

---

[1] ترمذی بحوالہ الاقتصاد: ص ۳۰:

[2] بخاری بحوالہ الاقتصاد ص ۳۱:

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ پھر وہی مسئلہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کی بھی ان کو خبر دی گئی تو انہوں نے اور طور سے فتویٰ دیا۔ پھر ان کے فتویٰ کی خبر حضرت ابو موسیٰ کو دی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک یہ متبحر عالم تم میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمانے سے کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے مت پوچھو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہر مسئلہ میں ان سے پوچھنے کے لیے فرمایا ہے اور یہی تقلید شخصی ہے کہ ہر مسئلے میں کسی مرجح کی وجہ سے ایک ہی عالم سے رجوع کر کے عمل کرے۔

۳۔ عن عمرو بن میمون الاودی قال قدم علینا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ الیمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الینا قال فسمعت تکبیرہ مع الفجر رجل اجش الصوت قال فالقیت محبتی علیہ فما فارقتہ حتی دفنتہ بالشام میتا ثم نظرت الی افقہ الناس بعدہ فاتیت ابن مسعود فلزمتہ حتی مات [1]

عمرو بن میمون الاودی کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہمارے پاس یمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے سفیر بن کر آئے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز فجر میں ان کی تکبیر سنی وہ بھاری آواز والے تھے میرے دل میں قدرت کی طرف سے ان کی محبت پیوست کر دی گئی۔ اس کے بعد میں ان سے اس وقت تک جدا نہیں ہوا جب تک ان کا انتقال نہیں ہو گیا اور انہیں میں نے شام میں دفن کر دیا پھر میں نے دیکھا کہ ان کے بعد سب سے بڑے فقیہ کون ہیں؟ تو میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہی کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔

تقلید شخصی کا وجوب اور اس کی ضرورت

اب تک یہ بات بخوبی واضح ہو چکی کہ خیر القرون میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں ہی ثابت

---

[1] (ابو داؤد بحوالہ تقلید کی شرعی حیثیت: ص ۵۵)

اور رائج تھیں۔ خیر القرون کے بعد علماء کا اس پر اتفاق ہوا کہ صرف ائمہ اربعہ یعنی ابوحنیفہ مالک شافعی اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی تقلید کی جائے گی اور اس میں ایک شخص صرف ایک متعین امام کی تقلید کرے اور اب یہی واجب ہے۔ اب پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس وجوب کی نوعیت کیا ہے؟

کسی شے کا ضروری اور واجب ہونا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ قرآن و حدیث میں خصوصیت کے ساتھ کسی امر کی تاکید ہو جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ ایسی ضرورت کو وجوب بالذات کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس امر کی خود تو کہیں تاکید نہیں آئی مگر جن امور کی قرآن و حدیث میں تاکید آئی ہے ان امور پر عمل کرنا بغیر اس کے عادۃً ممکن نہ ہو۔ اس لیے اس امر کو بھی واجب کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے قول مشہور کی کہ "مقدمۃ الواجب واجب" ایسے وجوب کو وجوب بالغیر کہتے ہیں۔ تو تقلید شخصی واجب بالغیر ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کون سے امور واجب ہیں جن کو تقلید شخصی کے بغیر پورا کرنا عادۃً ممکن نہیں۔ سو وہ یہ ہیں:۔

۱۔ علم و عمل میں نیت کا خالص دین کے لئے ہونا

اس کے واجب بالذات ہونے کی دلیل مندرجہ ذیل حدیثیں ہیں۔

۱۔ عن ابن الخطاب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ یتزوجھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام اعمال نیت پر ہیں اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہو پس جس شخص کی ہجرت اللہ

---

[1] (مشکوٰۃ بحوالہ الاقتصاد: ص ۴۰)

ورسول کی طرف مقصود ہو اس کی ہجرت اللہ ورسول کی طرف واقع ہوتی ہے اور جس شخص کی ہجرت دنیا کی طرف مقصود ہو کہ اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے یا کسی عورت کی طرف ہے کہ اس سے نکاح کرے گا تو اس کی ہجرت اس شے کی طرف ہے جس کے لیے ہجرت کی ہے۔

باوجودیکہ ہجرت بہت بڑا عمل ہے۔ مگر جب اس میں دنیوی غرض آگئی اور نیت خالص نہ رہی تو وہ اکارت ہوگئی اور اس پر ملامت فرمائی جو ترک واجب پر ہوتی ہے۔

ب۔ عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من تعلم علما مما يبتغی به وجه الله لا يتعلمه الا ليصيب به عرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة يعنی ريحها[1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی ایسا علم حاصل کرے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کی جاتی ہے (خواہ وہ بہت سا علم ہو یا ایک مسئلہ ہو) اور اس کی غرض سیکھنے کی صرف یہ ہو کہ اس کے ذریعے کچھ متاع دنیا حاصل کرلوں گا تو قیامت کے روز وہ شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔

اس سخت وعید سے معلوم یہ ہوا کہ علم کے سیکھنے میں خواہ ایک ہی مسئلہ ہو نیت کو خالص دین کے لیے کرنا واجب ہے۔

۲۔ خواہش نفسانی پر دین کو غالب رکھنا

اس کے وجوب پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا يومن احدكم حتی يكون هواه تبعا لما جئت به۔[2]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

[1] (مشکوٰۃ بحوالہ الاقتصاد: ص ۴۰)

[2] (مشکوٰۃ بحوالہ الاقتصاد ص ۴۱)

وسلم نے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش نفسانی ان احکام کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

۳۔ ایسے امر سے بچنا جس میں اپنے دین کے ضرر کا قوی اندیشہ ہو

عن النعمان بن بشیر فی حدیث طویل قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقع فی الشبہات وقع فی حرام کالراعی یرعی یوشك ان یرتع فیہ الا وان لکل ملك حمی الا وان حمی اللہ محارم [1]

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص شبہات میں پڑنے لگتا ہے وہ ضرور حرام میں واقع ہوتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی چرواہا ایسی چراگاہ کے آس پاس چرائے جس کی گھاس کسی نے روک رکھی ہو تو احتمال قریب ہے کہ اس چراگاہ کے اندر وہ چرنے لگے یاد رکھو ہر بادشاہ کی ایسی چراگاہ ہوتی ہے یاد رکھو کہ اللہ کے یہاں کی ایسی چراگاہ وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ نے حرام کر دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس چیز سے حرام میں پڑنے کا اندیشہ ہو اس سے بچنا ضروری اور واجب ہے۔

۴۔ اہل حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا

جیسا کہ حدیث میں ہے:

من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقہ [2]

یعنی جو شخص اہل دین کی جماعت سے ایک بالشت برابر بھی جدا ہوا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

۵۔ احکام شرعیہ کے دائرہ سے نہ نکلنا

جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: افحسبتم انما خلقناکم عبثا [3] کیا تم نے گمان کیا ہے کہ ہم نے تمہیں عبث و بیکار پیدا کیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ الاقتصاد: ص ۴۲ [2] مشکوٰۃ بحوالہ الاقتصاد: ص ۴۴ [3] سورہ مؤمنون آیت ۱۱۵

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت لوگوں کی طبیعتوں میں فساد اور غرض پرستی غالب ہے تو اگر تقلید شخصی نہ کی جائے تو تین صورتیں پیش آئیں گی۔

۱۔ بعض لوگ اپنے کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنا شروع کریں گے۔ محض قرآن پاک اور حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ پڑھ کر یا چند عربی کے قواعد سیکھ کر اجتہاد کرنا شروع کر دیں گے۔ اخبارات و رسائل میں ایسے بہت سے اجتہادات شائع ہوتے رہتے ہیں جو اجماع کے بھی خلاف ہوتے ہیں مثلاً یہ بھی کہتے ہیں کہ تصاویر سے جو منع کیا گیا تھا تو اس کی علت یہ تھی کہ عرب ان کی پرستش کرتے تھے۔ اب لوگ سمجھ دار ہو گئے ہیں اور وہ علت باقی نہیں رہی لہٰذا تصویر کشی کی حرمت بھی باقی نہ رہی اس میں دوسرے اور چوتھے امر کا ترک ہوا [1]

۲۔ اجتہاد کو مطلقاً ناجائز سمجھ کر نہ خود اجتہاد کریں گے نہ کسی کے اجتہاد پر عمل کریں گے صرف ظاہر حدیث پر عمل کریں گے۔ اس کی دو خرابیاں ہوں گے۔

ا۔ وہ احکام جو صریح نصوص میں نہیں ہیں لیکن اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے ان میں پھر عمل ہی نہ کریں گے۔ اس میں پانچویں امر کا ترک ہوگا۔

ب۔ بعض احادیث کے جن کے ظاہری معنی پر عمل جائز نہیں اس پر عمل ہو جائے گا۔ مثلاً فی اخری لمسلم صلی الظھر والعصر جمیعاً والمغرب والعشاء جمیعاً من غیر خوف ولا سفر (ترجمہ) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر ایک ساتھ جمع کر کے اور مغرب اور عشاء ایک ساتھ جمع کر کے بغیر خوف اور سفر کے پڑھی ـــــ حالانکہ بلا عذر حقیقۃً جمع کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ـــــ اس سے مخالفت اجماع لازم آئے گا [2]

۳۔ نہ خود اجتہاد کریں نہ ہر جگہ ظاہر حدیث پر عمل کریں بلکہ مشکل مسائل میں ائمہ کی بغیر تعیین

---

[1] الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد: ص ۳۴۔

[2] ایضاً: ص ۳۷۔

کے تقلید کریں کبھی ایک مجتہد کے فتویٰ کو لے لیا اور کبھی دوسرے کے فتویٰ کو اس میں بھی دو خرابیاں ہو سکتی ہیں۔

ا۔ بعض حالتوں میں اجماع کی مخالفت لازم آئے گی مثلاً ایک شخص نے وضو کیا پھر اسکے کہیں خون نکل آیا جس سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے تو اس نے کہا کہ میں امام شافعیؒ رحمہ اللہ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ اس میں امام ابو حنیفہ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور بلا تجدید وضو نماز پڑھ لی۔ چونکہ بالاجماع اس کا وضو ٹوٹ چکا تھا لہٰذا اس کی نماز باطل ہوئی۔ اس کے اس طرح کرنے سے اجماع کی مخالفت ہوئی۔

ب۔ بعض حالتوں میں گو اجماع کی مخالفت نہ ہوگی لیکن غرض پرستی کے غلبہ کی وجہ سے اس کا نفس مختلف مسائل میں اس قول کو لے گا جو اس کی خواہش نفسانی کے موافق ہو اور اس میں دنیوی غرض حاصل ہوتی ہو۔ لہٰذا اس قول کو دین سمجھ کر نہیں لے گا بلکہ خاص غرض یہی ہوگی کہ مطلب نکلے۔ تو یہ شخص دین کو خواہش نفسانی کے تابع رکھے گا جس سے دوسرے امر واجب میں خلل پڑتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی عمل اور مسئلے کی تحقیق میں نیت یہی ہوگی کہ دنیوی غرض حاصل ہو جائے تو پہلا امر واجب بھی چھوٹا۔ اور جب ان چیزوں کی عادت پڑ جائے گی تو پھر دین کے اصول پر بھی ضرب پڑ سکتی ہے جس سے تیسرے امر واجب کا ترک لازم آیا۔" [1]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں تحریر فرماتے ہیں:

فان قلت کیف یکون شئ واحد غیر واجب فی زمان وواجبا فی زمان آخر مع ان الشرع واحد فلیس قولك لم یکن الاقتداء بالمجتهد المستقل واجبا ثم صار واجبا الا قولا متناقضا متنافیا قلت، الواجب الاصلی هو ان یکون

---

[1] الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، ص ۳۸۔

فی الامة من یعرف الاحکام الفرعیة من ادلتها التفصیلیة اجمع علی ذلك اهل الحق ومقدمة الواجب واجبة فاذا کان للواجب طرق متعددة وجب تحصیل طریق من تلك الطرق من غیر تعیین واذا تعین له طریق واحد وجب ذلك الطریق بخصوصه کما اذا کان الرجل فی مخمصة شدیدة یخاف منها الهلاك وکان لرفع المخمصة طرق من شراء الطعام والتقاط الفواکه من الصحراء واصطیاد ما یقتوت به وجب تحصیل شئ من هذه الطرق لا علی الیقین - کم فاذا وقع فی مکان لیس هناك صید ولا فواکه وجب علیه بذل المال فی شراء الطعام - وکذلك کان للسلف طرق فی تحصیل هذا الواجب وکان الواجب تحصیل طریق من تلك الطرق لا علی التعیین ثم انسدت تلك الطرق الا طریق واحد فوجب ذلك الطریق بخصوصه وکان السلف لا یکتبون الحدیث ثم صار یومنا هذا کتابة الحدیث واجبة لان روایة الحدیث لا سبیل لها الیوم الا معرفة هذه الکتب وکان السلف لا تشتغلون بالنحو واللغة وکان لسانهم عربیا لا یحتاجون الی هذه الفنون ثم صار یومنا هذا معرفة اللغة العربیة واجبة لبعد العهد عن العرب الاول وشواهد ما نحن فیه کثیرة جدا وعلی هذا ینبغی ان یقاس وجوب التقلید لامام بعینه فانه قد یکون واجبا فاذا کان انسان جاهل فی بلاد الهند وبلاد ما وراء النهر ولیس هناك عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لانه حینئذ یخلع عن عنقه ربقة الشریعة ویبقی سدی مهملا بخلاف ما اذا کان فی الحرمین فانه یتیسر له هناك معرفة جمیع المذاهب - ولا یکفیه ان یاخذ بالظن من غیر ثقة ولا ان یاخذ من السنة العوام ولا ان یاخذ من کتاب غیر مشهور کما ذکر کل ذلك فی النهر الفائق شرح کنز الدقائق"[1]

---

[1] الانصاف فی بیان سبب الاختلاف؛ ص ۴۹ تا ۵۱ مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب۔

ترجمہ: اگر تم یہ کہو کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ شریعت کے ایک ہونے کے باوجود ایک چیز ایک وقت میں غیر واجب ہو اور دوسرے وقت میں واجب ہو جائے۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ مجتہد مستقل کی اتباع واجب نہ تھی پھر واجب ہو گئی تناقض و تنافی ہے۔ میں جواب میں یہ کہتا ہوں کہ اہل حق کا اس بات پر اجماع ہے کہ واجب اصل یہ ہے کہ امت میں ایسا شخص موجود ہو جو فرعی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے جانتا ہو۔ اور واجب کا مقدمہ واجب ہوتا ہے پس جب کسی واجب کے کرنے کے مختلف طریقے ہوں تو ان طریقوں میں سے بلا تعیین کسی ایک طریقے کو اختیار کرنا واجب ہوتا ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص شدید بھوک میں مبتلا ہے جس سے ہلاکت کا اندیشہ ہو اور بھوک کو دور کرنے کے مختلف رستے موجود ہوں مثلاً کھانا خرید لے یا جنگل سے پھل توڑ لائے یا شکار کر لے تو اس وقت بلا تعیین کسی ایک طریق کی تحصیل ہو گی لیکن اگر وہ کسی ایسی جگہ میں ہو کہ وہاں شکار اور پھل نہ مل سکے ہوں تو اب اس پر یہی واجب ہو گا کہ وہ پیسے خرچ کر کے کھانا خرید لے۔ اسی طرح سلف کے لیے چند طریقے تھے تو واجب یہی تھا کہ بلا تعیین کسی ایک طریق کو اختیار کر لیتے پھر جب سوائے ایک طریقے کے دیگر طرق ختم ہو گئے تو اب خاص اس طریقہ کی تحصیل واجب ہو گئی۔ سلف حدیثیں نہیں لکھتے تھے جبکہ آج کتابت حدیث واجب ہے کیونکہ اس زمانے میں حدیث کی روایت کا بجز ان کتابوں کی معرفت کے اور کوئی طریقہ نہیں۔ اسلاف نحو و لغت میں مشغول نہیں ہوتے تھے کیونکہ ان کی زبان عربی تھی اور ان کو ان فنون کی حاجت نہ تھی۔ جبکہ اس زمانے میں عرب اول کے دور سے دور ہونے کے باعث عربی لغت کی معرفت واجب ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اسی پر ایک متعین امام کی تقلید کے وجوب کو بھی قیاس کر لیا جائے کہ کبھی واجب بھی ہوتی ہے۔ پس اگر کوئی جاہل و عامی انسان ہندی ماوراء النہر میں ہو کہ جہاں مالکی شافعی اور حنبلی عالم نہ ہوں اور نہ ہی ان مذاہب کی کتابیں ہوں تو اس پر واجب ہو گا کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی تقلید کرے اور اس پر حرام ہو گا کہ اس مذہب سے خارج ہو کیونکہ ایسی صورت میں تو وہ اپنے گلے سے شریعت کا پٹہ ہی اتار دے گا اور مہمل و بے کار رہے گا برخلاف اس کے جبکہ وہ حرمین میں ہو کہ وہاں اس کے لیے تمام مذاہب کو جاننا ممکن ہو گا (لہٰذا وہاں اس کو اختیار ہو گا کہ ابتداء کسی بھی مذہب کو اختیار کر لے) اور یہ کافی نہ ہو گا کہ

وہ غیر ثقہ سے محض گمان پر کوئی مسئلہ لے لے یا عوام سے سنی سنائی باتوں یا کسی غیر مشہور کتاب سے کوئی مسئلہ اخذ کرے جیسا کہ یہ سب کچھ کنز الدقائق کی شرح النہر الفائق میں مذکور ہے۔

مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار کیوں؟

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف عقد الجید میں "مذاہب اربعہ کے اختیار کی تاکید اور ان کے چھوڑنے کی شدید ممانعت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

جان لینا چاہیئے کہ ان مذاہب کے اختیار میں ایک عظیم الشان مصلحت اور ان کے چھوڑنے میں ایک بڑا فساد ہے۔ ہم اس کو دلائل سے بیان کریں گے:

امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کرے گی۔ چنانچہ تابعین نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر، تبع تابعین نے تابعین پر اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے۔ اور عقل اسکے مستحسن ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ شریعت نقل اور استنباط سے معلوم ہوئی اور نقل اس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے۔ اور استنباط میں بھی مذاہب متقدمین پر اپنا قول مبنی کرے اور نیز اس استنباط میں گذشتہ لوگوں سے مدد لے کیونکہ تمام فنون مثلاً صرف نحو طب شعر آہنگری پڑھئی گیری اور رنگریزی کسی کو ان میں سے کوئی فن اس وقت تک نہیں آیا جب تک ماہر فن کے ساتھ نہ رہا۔ اسکے علاوہ نادر و بعید ہے کہ کبھی ایسا پایا نہیں گیا اگرچہ عقلاً ممکن ہے۔

جب سلف کے اقوال پر اعتماد کرنا متعین ہے تو ضروری ہے کہ انکے وہ اقوال جن پر اعتماد کیا گیا ہے سند صحیح سے مروی یا مشہور کتابوں میں مدون موجود ہوں۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ان اقوال کو زیر بحث بھی لایا گیا ہو کہ اس کے محتملات کے راجح کو بیان کیا گیا ہو اور بعض مواقع میں عموم کی تخصیص اور کسی جگہ مطلق کی تقیید کی گئی ہو۔ اور ان اقوال کے مختلف فیہا میں جمع کی شکل نکال لی گئی ہو۔ مزید برآں ان کے احکام کی علل بھی بیان شدہ ہوں ورنہ ان پر اعتماد صحیح نہیں۔ اور آخری زمانوں میں مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایسا مذہب نہیں جو ان صفات کے ساتھ متصف پایا گیا ہو۔ امامیہ اور زیدیہ کو کہا جاتا ہے مگر وہ اہل بدعت ہیں ان کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں۔

دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سواد اعظم کی اتباع کرو۔ اور چونکہ ان چار کے علاوہ دوسرے مذاہب حقہ مفقود ہوگئے ہیں تو ان مذاہب کا اتباع سواد اعظم کا اتباع اور ان سے باہر نکلنا سواد اعظم سے باہر نکلنا ہے۔

سوم: جب خیر القرون سے بعد ہوگیا اور امانات ضائع ہوگئیں تو کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ ظالم قاضیوں اور خواہش پرست مفتیوں کے اقوال پر اعتماد کیا جائے یہاں تک کہ وہ بصراحت یا بدلالت اپنے قول کو سلف میں سے کسی ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو صدق و امانت میں مشہور ہو اور نیز اسکا وہ قول محفوظ بھی ہو۔[۱]

مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد میں فرماتے ہیں:

جب اوپر ثابت ہوگیا کہ تقلید شخصی ضروری ہے اور مختلف اقوال لینا متضمن مفاسد ہے تو ضروری ہوا کہ ایسے مجتہد کی تقلید کی جائے جس کا مذہب اصولاً و فروعاً ایسا مدون و منضبط ہو کہ قریب قریب سب سوالات کا جواب اس میں جزئیا یا کلیا مل سکے تاکہ دوسرے اقوال کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے اور یہ امر منجانب اللہ ہے کہ یہ صفت بجز مذاہب اربعہ کے کسی مذہب کو حاصل نہیں تو ضروری ہوا کہ ان ہی میں سے کسی مذہب کو اختیار کیا جائے کیونکہ مذہب خامس کو اختیار کرنے میں پھر وہی خرابی عود کرے گی کہ جن سوالات کا جواب اس میں نہ ملے گا اس کے لیے دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا تو نفس کو وہی مطلق العنانی کی عادت پڑے گی جس کا فساد اوپر مذکور ہوچکا ہے۔ یہ وجہ ہے انحصار کی مذاہب اربعہ میں اور اسی بنا پر مدت سے اکثر جمہور علماء امت کا یہی تعامل اور توارث چلا آرہا ہے حتی کہ بعض علماء نے ان مذاہب اربعہ میں اہل سنت وجماعت کے منحصر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

التلفیق بین احکام المذاہب

لغت میں اس لفظ کا استعمال ملانے کے معنی میں اس طرح پر ہے: لَفَقَ الثَّوبَ:

---

[۱] عقد الجید، ص ۵۳ تا ۵۷ مطبوعہ کراچی۔

کپڑے کو دوہرا کر کے سینا۔

لَفَّقَ الحدیثَ تلفیقا باطل سے مزین کرنا لَفَّقَ الشقتین دونوں سرے ملا کر سینا۔

نیز کہا جاتا ہے لَفَّقَ بین الثوبین جب کہ دوہرا کر کے سیئے۔

فقہاء کے کلام میں اس لفظ کا استعمال ملتا ہے مثلاً:

الحکم الملفق باطل بالاجماع

یعنی تلفیق شدہ حکم بالاجماع باطل ہے۔

مختصر خلیل اور اس کی شرح الکبیر میں ہے: ولا تجزی الکفارۃ حال کونہا ملفقۃ من نوعین فاکثر کاطعام مع کسوۃ یعنی کفارہ اس حال میں کہ وہ تلفیق شدہ (ملایا ہوا) ہو دو یا زائد انواع سے مثلاً طعام اور لباس سے تو یہ کفایت نہیں کرتا۔

بطور اصطلاح کے فقہاء کے ہاں اس کی دو قسمیں ہیں التلفیق فی الاجتہاد (اگرچہ تلفیق کے لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں نہیں ہوا)۔(۲) التلفیق فی التقلید۔

التلفیق فی الاجتہاد

شیخ محمد احمد فرج السنپوری لکھتے ہیں:

اس سے یہ مراد ہے کہ دو یا زائد مجتہد کسی موضوع میں اجتہاد کریں اور یوں دو یا زائد اقوال حاصل ہو جائیں۔ پھر ان کے بعد ایک اور مجتہد آئے جو اسی موضوع پر اعتماد کرے اور اسکا اجتہاد اس بات پر منتج ہو کہ وہ ہر ایک کے قول کا کچھ حصہ لے لے اور اس کا مجموعہ اس موضوع میں اس کا مذہب بن جائے۔

یہ صورت مندرجہ ذیل دو مسئلوں میں پائی جا سکتی ہے جو اصولیوں کے نزدیک معروف ہیں۔

۱۔ اگر صحابہ یا کسی اور زمانے کے مجتہدین کے ایک مسئلہ میں دو یا زائد اقوال حاصل ہو جائیں۔ پھر وہ زمانہ گزر جائے تو کیا بعد میں آنے والے مجتہد کو تیسرا قول اختیار کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں؟

۲۔ صحابہ یا کسی اور ہمعصر مجتہدین کا دو مسئلوں میں اختلاف دو قولوں پر ہو تو کیا بعد کے کسی مجتہد کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مسئلہ میں ایک گروہ کا قول لے لے اور دوسرے مسئلے میں دوسرے گروہ کا قول اختیار کر لے یا نہیں؟

ان دونوں ہی مسئلوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

غزالی رحمہ اللہ نے مستصفیٰ میں اور اسنوی رحمہ اللہ نے شرح منہاج میں صرف پہلے مسئلے میں واقع اختلاف کے محل کو نقل کیا ہے۔ ایسے ہی حنفی علماء اصول میں سے متقدمین مثلاً شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ نے اپنی اصول اور فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ نے اپنی اصول اور ابو البرکات نسفی رحمۃ اللہ نے منار میں صرف پہلے مسئلے ہی کو لیا ہے۔ اور ان کا اپنا مختار مذہب یہ ہے کہ تیسرے قول کو ایجاد کرنا مطلقاً منع ہے۔ اسی طرح امام الحرمین شافعی نے برہان میں پہلے مسئلے پر اقتصار کیا ہے۔ یہ بھی قول ثالث کے ایجاد کے عدم جواز کی طرف گئے ہیں اور انہوں نے قائلین جواز پر رد کیا ہے۔

ابو اسحاق شیرازی نے لمع میں دونوں مسئلے علیحدہ ذکر کیے ہیں اور دونوں میں صرف صحابہ سے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے۔ پہلے مسئلے میں وہ عدم جواز کی طرف گئے ہیں اور مجوزین پر رد کیا ہے۔ دوسرے مسئلے کے بارے میں وہ کہتے ہیں "جب کہ اختلاف کرنے والوں نے دونوں مسئلوں کے مابین تسویہ و برابری کا قول نہیں کیا تو تابعی کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک مسئلے میں ایک فریق کا قول لے اور دوسرے مسئلے میں دوسرے فریق کا" نیز کہا کہ "بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تو تیسرا قول ایجاد کرنا ہے۔ بات غلط ہے کیونکہ انہوں نے دو مسئلوں میں سے ہر ایک میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ موافقت کی ہے" اور جب دونوں فریق دونوں مسئلوں کے برابر ہونے کی تصریح کر دیں تو شیخ ابو الطیب طبری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جواز کا احتمال

ہے کیونکہ ان کے درمیان حکم میں برابری پر اجماع منعقد نہیں ہوا۔ لیکن اصح یہی ہے کہ جائز نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی دونوں مسئلوں کو محصول میں علیحدہ ذکر کیا ہے اور دونوں کے بارے میں جواز کے قول کو بھی نقل کیا ہے اگرچہ اکثر محققین کی رائے عدم جواز کی ہے۔ اسی طرح ان دونوں مسئلوں کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے منہاج الوصول میں ابن السبکی رحمہ اللہ نے جمع الجوامع میں قرافی رحمہ اللہ نے تنقیح الفصول اور اس کی شرح میں۔

پھر علماء اصول کا ایک گروہ آیا کہ جنہوں نے دونوں کو ایک ہی مسئلہ بنا دیا۔ یہ چیز ہمیں علامہ آمدی رحمہ اللہ کی احکام میں۔ ابن حاجب رحمہ اللہ کی مختصر میں۔ صدر الشریعۃ رحمہ اللہ کی تنقیح و توضیح میں۔ ملا خسرو رحمہ اللہ کی مرقاۃ اور اس کی شرح مرآۃ میں۔ مولی فناری رحمہ اللہ کی فصول بدائع میں۔ ابن ہمام رحمہ اللہ کی تحریر میں اور ابن عبد الشکور کی مسلم الثبوت میں ملتی ہے۔ لیکن ابن ہمام رحمہ اللہ کا مختار مذہب وہی ہے جو حنفیہ متقدمین کا ہے کہ مطلقاً منع ہے اور اسی کا التزام ابن عبد الشکور نے کیا ہے [1]

مندرجہ بالا کلام کا حاصل یہ ہے کہ کسی زمانے میں جب کہ ایک مسئلے میں مجتہدین کا اختلاف دو اقوال میں ہو تو کیا ان کے بعد آنے والے مجتہد کو ایک نیا تیسرا قول ایجاد کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ سرے سے جائز نہیں۔ مسلم الثبوت اور تقریر و شرح تحریر میں اس کو اکثر کا قول کہا ہے۔ یہی قول امام رازی ان کی کتاب معالم میں۔ حسن کا نوادر ہشام میں اور امام شافعی رحمہم اللہ کا رسالہ میں ہے۔

۲۔ جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف دو اقوال میں ہو تو جائز نہیں۔ اگر اختلاف غیر صحابہ کا ہو تو جائز ہے۔ تنقیح میں ہے اذا اختلف الصحابہ بین قولین یکون اجماعا علی نفی قول ثالث عندنا واما فی غیر الصحابہ فکذا عند بعض مشائخنا و بعضہم خصوا ذلک بالصحابۃ رضی اللہ عنہم اذا لا یجوز ان یظن بہم الجہل اصلا۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک جب کہ صحابہ کا اختلاف دو قولوں پر ہو تو یہ قول ثالث کی نفی

---

[1] مقالہ التلفیق بین احکام المذاہب "الشیخ احمد فرج السنہوری"

پر اجماع ہوگا۔ اگر یہ اختلاف غیر صحابہ میں ہو تو ہمارے بعض مشائخ کا اس وقت بھی یہی قول ہے جب کہ بعض دوسروں نے اس کی تخصیص صحابہ کے ساتھ کی ہے کیونکہ یہ جائز نہیں کہ ان کے بارے میں لاعلمی کی بدگمانی کی جائے (یعنی یہ کہ اگر تیسرے قول کی گنجائش ہوتی تو ان کو ضرور اس کا علم ہوتا)

۳۔ اگر تیسرے قول سے وہ امر مرتفع نہ ہوتا ہو جس پر سابقہ دونوں قول مجتمع ہیں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ آمدی ابن حاجب اور علامہ رازی کا معالم کے علاوہ دوسری کتب میں یہی قول ہے رحمہم اللہ۔

۴۔ مطلقاً جائز ہے۔ ابن برہان اور ابن سمعانی کے بقول یہ ظاہریہ اور بعض احناف کا قول ہے۔ ان کے نزدیک دو قولوں کا اہل عصر سے نقل اجماع نہیں بنتا جب تک کہ ان دونوں پر اجماع ثابت بھی نہ ہو جائے۔

قول اوّل[1] کے قائلین کے دلائل اور ان پر اعتراضات کے جواب۔

دلیل اول۔ اہل عصر کا دو اقوال اختلاف اور ان سے عدم تجاوز ان کی جانب سے دونوں میں سے ایک قول پر منع خلو کے طریق پر اجماع ہے اور یہ امر اگرچہ اتفاقی ہے کہ جو قول ثالث کے نہ ہونے کی بنا پر حاصل ہوا ہے لیکن یہ بھی اسی طرح حجت ہے جس طرح کہ ان کا ایک قول پر اجماع لہٰذا اس کا اتباع واجب ہے اور اس کا خلاف کرنا حرام۔

اعتراض: دو میں سے ایک قول پر بطریق منع الخلو اجماع صورت کے اعتبار سے تو اجماع ہوتا ہے حقیقتاً اجماع نہیں ہوتا کیونکہ ہر فریق کے نزدیک ایک قول کا مصداق وہ ہے جو دوسرے کے نزدیک نہیں ہے لہٰذا اس کا خلاف اجماع کا خلاف نہیں ہوگا۔ جب کہ ایک قول پر فریق کے نزدیک مظنون الصواب اور محتمل خطا رہے تو تیسرے قول کا احداث جائز ہوگا کیونکہ وہ ان دونوں کے نزدیک محتمل صواب ہے اور یہی مدعٰی ہے۔

۲۔ نیز یہ استدلال اجماع کے استقرار و قائم ہو جانے سے پہلے تیسرے قول کے احداث سے بھی ٹوٹتا ہے کیونکہ جب ایک وقت میں اس کا باہمی اختلاف دو اقوال پر ہو پھر ایک فریق پر اپنی خطا ظاہر ہو جائے تو وہ ان دونوں اقوال کے علاوہ کسی تیسرے قول

[1] مقدمہ اعلاء السنن: ۲:۰ ۱۹۰-۱۹۱

کو اختیار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ تو جیسا ان کا گذشتہ وقت میں دو قولوں پر اجماع قادح نہیں ایسے ہی یہاں بھی ہوگا۔

پہلے اعتراض کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ جب اہل عصر کا دو قولوں پر اجماع ہو اور انہوں نے تیسرے قول کی طرف تجاوز نہیں کیا تو لازم آیا کہ سبیل المؤمنین کا انحصار ان ہی دو میں ہو۔ اور یہ ظاہر و باہر بات ہے۔ یہ امر کہ تیسرا قول دونوں فریقین کے نزدیک محتمل صواب ہے قادح نہیں ہے کیونکہ جب وہ ایک قول پر متفق و مجتمع ہو جائیں تو تب بھی یہ بات جائز ہے کہ ان کے نزدیک دوسرا قول محتمل صواب ہو کیونکہ اجماع کی قطعیت ان کے اپنے لیے نہیں ہوتی بلکہ دوسروں کے لیے ہوتی ہے کیونکہ اجماع کا ثبوت و تحقیق ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ اہل عصر گزر جائیں تو جب تک اہل اجماع کا زمانہ باقی ہے تو ان کا ایک قول پر اجماع دوسرے قول کے لیے قاطع نہیں ہوگا۔ یہ چیز اس بات کی علامت ہے کہ اہل اجماع کے حق میں وہ ظنی ہوتا ہے۔

دوسرے اعتراض کا یہ جواب ہے کہ جب تک اہل اجماع باقی ہیں اجماع کا تحقق ہی نہیں ہوتا تو ان کے لیے جائز ہے کہ جن دو قولوں پر وہ گذشتہ کل بطریق منع الخلو متفق ہو گئے تھے ان کے علاوہ کوئی تیسرا قول اختیار کر سکیں۔ اور جب وہ ہمعصر اہل اجماع گزر جائیں اور دو قولوں سے تیسرے کی طرف تجاوز نہ کریں تو ان کے بعد والوں کے لیے جائز نہیں کہ اب اجماع کے ثابت ہونے کے بعد کسی تیسرے قول کا احداث کر سکیں۔ لہٰذا اجماع کے ثابت ہونے کے بعد تیسرے قول کے ایجاد کرنے کو اجماع کے ثابت ہونے سے پہلے تیسرے قول کے اختیار کرنے پر قیاس کرنا باطل ہے جو کہ صاحب فہم پر مخفی نہیں۔

دلیل ثانی: امر ممتنع ہے کہ جس بات پر سب متفق ہوں اس پر سب کو خطاوار ٹھہرایا جائے۔ تیسرے قول کا احداث چونکہ اس بات کو مستلزم ہے کہ جن دو قولوں میں ان کا اختلاف ہے ان میں ان کو خطاوار ٹھہرایا جائے لہٰذا ممتنع ہوگا۔

اعتراض: جو امر ممتنع ہے وہ مطلقاً تخطیہ نہیں بلکہ جس بات پر سب متفق ہوں اس پر ان سب کو خطاوار ٹھہرانا۔ اور زیر بحث مسئلے میں ان کا تخطیہ اس بات میں ہے جس

میں ان کا اختلاف ہے۔

لیکن اس کا یہ جواب ہے کہ تخطیہ کے امتناع کے دلائل عام ہیں اور پوری امت کا خطا میں مبتلا ہونا ممتنع ہے جب کہ قول ثالث کا احداث اس کو مستلزم ہے لہٰذا یہ جواب بے کار ہے۔

(۲)۔ بعض لوگوں نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کا دو قولوں میں اختلاف ایک دوسرے کو اپنے گمان میں خطا دار ٹھہرانا ہے تو تیسرے قول کا احداث ہر فریق کے اس تخطیہ کی تصویب ہے لہٰذا جائز ہے انفراداً بھی اور اجتماعاً بھی۔

اس ہر جواب پر یہ اعتراض ہے کہ اجتماعی طور پر ہر فریق کا تخطیہ اس بات کو مستلزم ہے کہ پوری امت خطا پر ہو حالانکہ یہ بات شرعاً ممکن نہیں لہٰذا تیسرے قول کا احداث جائز نہیں۔ اور اجتماعی طور پر تخطیہ کو انفرادی تخطیہ پر قیاس کرنا باطل ہے۔

قول ثانی اس کے جزء اوّل میں تو وہی سارا کلام چلے گا جو قول اول کے تحت گزرا ہے۔ رہا جزء ثانی تو بعض لوگوں کے نزدیک اگرچہ درست ہے لیکن ہمارے نزدیک باطل ہے جیسا کہ قول اول کی دلیل و جواب کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔

قول ثالث توضیح میں ہے ـــ ایک ضابطہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر دو قول ایک ایسے امر میں مشترک ہوں جو احکام شرعیہ میں سے بھی ہو تو اس وقت قول ثالث اجماع کے باطل کرنے کو مستلزم ہوگا ورنہ نہیں۔"[1]

تلویح میں علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اس ضابطہ کے متقرر ہونے کے وقت ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ کونسے موقع پر دو قول ایک حکم شرعی میں مشترک ہیں اور کونسے مقام میں نہیں۔

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اوّل دو قولوں میں مختلف فیہ کبھی تو ایسا شرعی حکم ہوتا ہے جو ایک محل کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور کبھی ایسا شرعی حکم ہوتا ہے جو ایک سے زائد محل کے ساتھ متعلق ہو۔

ا۔ پہلی صورت میں جب کہ شرعی حکم محل واحد کے ساتھ متعلق ہوتا ہے[2] کبھی تو دونوں

---

[1] التوضیح والتلویح ص: ۵۰۳ بحث اجماع۔

[2] التوضیح والتلویح: ص ۵۰۳-۵۰۴

قولوں کا اشتراک ایک شرعی حکم میں ظاہر ہوتا ہے اور نتیجۃً قول ثالث باطل ہوتا ہے جیسا کہ عدت کے مسئلے میں اور میت کے دادا کا میت کے بھائیوں کے ساتھ وراثت میں شریک ہونے کے مسئلے میں ہے (عدت کے مسئلہ سے مراد اس حاملہ عورت کی عدت ہے جس کا شوہر مر گیا ہو۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک عدت وفات اور مدت وضع حمل میں سے جو بھی لمبی مدت ہوگی وہی عدت شمار ہوگی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضع حمل کی مدت عدت شمار کی جائیگی۔ اس مسئلہ میں دونوں قول اس بات میں مشترک ہیں کہ عدت تنہا مہینوں سے نہیں ہوتی۔ دوسرے مسئلے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کل مال دادا کا ہوگا جبکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک میت کے بھائی بھی دادا کے ساتھ میراث میں شریک ہونگے۔ اس مسئلے میں بھی دونوں قول اس بات میں مشترک ہیں کہ دادا محروم نہیں ہوتا اور یہ بات ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک شرعی حکم ہے)

۲۔ اور کبھی ان دونوں قولوں کا ایک حکم شرعی میں عدم اشتراک ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ مسئلہ ربا میں ہے پس قول ثالث باطل نہ ہوگا (مسئلہ ربوا میں ربوا کی علت میں اختلاف ہے۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک علت قدر و جنس ہے۔ امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک طعم مع جنس اور یہ علتیں ہیں حکم شرعی نہیں لہٰذا یہ دونوں ایک حکم شرعی میں مشترک نہیں البتہ یہ بات مخفی نہیں کہ اگر قول ثالث کی رو سے علت میں جنس کا اعتبار نہ ہو تو یہ مخالف اجماع ہوگا کیونکہ اقوال میں جنس کی علیت پہ اتفاق ہے)۔

۳۔ کبھی یہ دونوں قول اس طور پر ہوتے ہیں کہ ان سے حکم واحد شرعی میں اشتراک اور دو امروں میں افتراق حاصل ہوتا ہے۔

(أ) ایسی صورت میں اگر افتراق شرعی احکام میں سے ہو تو تیسرے قول کا احداث باطل ہوگا خواہ شمول وجود کا قول ہو یا شمول عدم کا۔ اس کی مثال مسئلہ ذات الزوجین ہے ذات الزوجین سے مراد وہ عورت ہے جس کو خبر دی گئی کہ اس کا مفقود شوہر مر گیا ہے اور وہ دوسری شادی کرلے اور بچے جنے۔ پھر اس کا شوہر اول آجائے تو حنفیہ کے

نزدیک بچے کا نسب پہلے شوہر سے ثابت ہوگا جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دوسرے شوہر سے۔ اس مسئلہ میں دونوں قول اس بات میں مشترک ہیں کہ بچے کا نسب دونوں میں سے کسی ایک سے ثابت ہوگا اور یہ کہ ایک سے ثبوت نسب شرعاً دوسرے سے ثبوت نسب کے منافی ہے (اسی کو افتراق کہا ہے اور یہاں یہ شرعی حکم ہے) لہٰذا قول ثالث کا احداث باطل ہوگا خواہ شمول وجود (یعنی دونوں ہی سے نسب کے ثبوت) کا قول ہو یا شمول عدم (یعنی دونوں میں سے کسی سے بھی نسب کے ثابت نہ ہونے) کا قول ہو۔

(ii) اور اگر افتراق حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ خارج من غیر السبیلین (پیشاب و پاخانہ کی راہ کے علاوہ کسی اور مقام بدن سے نجاست مثلاً خون کا نکلنا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وضو کرنا پڑتا ہے اور امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک موضع نجاست کا دھونا واجب ہے) کا مسئلہ کہ دونوں قول متفق ہیں ایک تو وجوب تطہیر یعنی وضو اور مخرج نجاست کے دھونے پر اور دوسرے افتراق پر یعنی یہ کہ واجب ان میں سے کوئی ایک ہے لیکن یہ افتراق حکم شرعی نہیں ہے کہ شریعت نے حکم لگایا ہو ایک کا وجوب دوسرے کے وجوب کے منافی ہے۔

پس قول ثالث اگر شمول عدم (یعنی یہ کہ دونوں میں سے کوئی بھی واجب نہیں ہے) کا قول ہو تو یہ باطل ہوگا کیونکہ یہ سابقہ اجماع کو باطل کرتا ہے۔

اور قول ثالث اگر شمول وجود (یعنی یہ کہ دونوں ہی واجب ہیں) کا قول ہو تو یہ باطل نہ ہوگا کیونکہ یہ اجماع گزشتہ کے ابطال کو مستلزم نہیں ہے اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ حکم لگانا کہ جب دو قول کسی حکم شرعی میں مشترک ہوں تو قول ثالث اجماع کے ابطال کو مستلزم ہوتا ہے اپنے اطلاق پر نہیں ہے۔

ii۔ دوسری صورت میں جبکہ مختلف فیہ ایسا حکم ہو جو ایک سے زائد محل کے ساتھ متعلق ہو تو دو قولوں کے اختلاف کی تین صورتیں ہیں:۔

ا۔ ایک فریق متنعین صورت میں حکم کے ثبوت کا قائل ہو۔ اور دوسری صورت میں حکم کے عدم ثبوت کا قائل ہو جبکہ دوسرے فریق کا قول اس کے برعکس ہو مثلاً امام ابو حنیفہؒ

رحمہ اللہ کے نزدیک غیر السبیلین سے نجاست کے خروج سے وضو ٹوٹتا ہے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے خارج من غیر السبیلین سے نہیں۔ پس یہ قول کرنا کہ ان دونوں ہی سے وضو ٹوٹتا ہے یا ان میں سے کسی سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ مجمع علیہ حکم شرعی کو باطل نہیں کرتا۔ مقدمہ اعلاء السنن[1] میں ہے کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ یہ دونوں قول ایک حکم شرعی یعنی عدم جواز صلاۃ میں مشترک ہیں کیونکہ جو شخص پچھنے لگوائے اور عورت کو چھوئے تو بالاجماع اس کی نماز درست نہ ہوگی حنفیہ کے نزدیک پچھنے لگوانے سے اور شافعیہ کے نزدیک عورت کو چھونے کی وجہ سے تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ شمول عدم یعنی دونوں ہی سے وضو کے نہ ٹوٹنے کا قول حکم شرعی پر اجماع کا مبطل ہوگا۔ اس کا جو جواب ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ یہ نماز بالاجماع باطل ہے کیونکہ ہمارے نزدیک عدم جواز پچھنے لگوانے کی وجہ سے ہوگا جبکہ امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو چھونے کی وجہ سے۔ اور یہ دونوں حکم ایک دوسرے سے جدا اور لاتعلق ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ خروج میں خطا پر ہوں اور مس میں صواب پر ہوں اور شافعیؒ رحمہ اللہ مس میں خطا پر ہوں اور خروج میں صواب پر ہوں کیونکہ یہ تو ضروری نہیں ہے کہ اگر ایک میں خطا پر ہوں تو لازماً دوسرے میں بھی خطا پر ہوں۔

۲۔ ایک فریق دونوں صورتوں میں ثبوت کا قائل ہو (شمول وجود) اور دوسرا دونوں میں عدم ثبوت کا (شمول عدم)۔ اسی کا نام عدم القائل بالفصل ہے (رہا اجماع مرکب تو وہ اس سے عام تر ہے)

أ اگر دونوں شمول ایک حکم شرعی پر متفق ہو جائیں تو افتراق کا قول مبطل اجماع ہوگا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ باپ اور دادا کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک باکرہ بالغہ پر ولایت

---

[1] مقدمہ اعلاء السنن، ص ۱۹۲۔

اجبار (یعنی بغیر بالغہ کنواری کی مرضی کے نکاح کرنے کا اختیار) حاصل نہیں ہے جبکہ امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک ان دونوں کو یہ ولایت واختیار حاصل ہے۔ پس اگر کوئی قول ثالث ایسا لائے کہ باپ کو ولایت حاصل ہو گی دادا کو نہیں تو یہ اجماع کے خلاف ہو گا کیونکہ شمول وجود اور شمول عدم دونوں ایک حکم شرعی پر متفق ہیں اور وہ حکم شرعی ہے ولایت میں باپ اور دادا کی مساوات کیونکہ از روئے شرع باپ کی عدم موجودگی میں دادا مثل باپ کے ہوتا ہے

۲ اور اگر دونوں شمول ایک حکم شرعی پر متفق نہ ہوں تو افتراق کا قول مبطل اجماع نہ ہو گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ عیوب خمسہ زوجین میں جذام جنون اور برص اور بیوی میں شرمگاہ میں کوئی رسولی وغیرہ جو ادخال میں مانع ہو یا شرمگاہ کی تنگی اور شوہر میں قطع ذکر اور نامردی ـــــ کی بناء پر امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک فسخ نکاح کا اختیار ہو گا جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہو گا۔ چونکہ دونوں شمول یہاں کسی حکم شرعی پر متفق نہیں کہ ان کے درمیان مساوات حکم شرعی نہیں ہے لہٰذا قول ثالث جو افتراق پر مشتمل ہو یعنی بعض عیوب سے فسخ کا اختیار ہو بعض سے نہیں مبطل اجماع نہیں ہو گا۔

۳۔ ایک فریق دو میں سے ایک متعین صورت میں ثبوت کا قائل ہو اور دوسری میں عدم کا اور دوسرا فریق دونوں ہی میں یا تو ثبوت کا قائل ہو اور یوں ایک متعین صورت میں ثبوت پر اتفاق ہو یا دونوں میں ثبوت پر اتفاق ہو یا دونوں میں عدم ثبوت کا قائل اور یوں ایک متعین صورت میں عدم ثبوت پر اتفاق ہو جائے۔ پس قول ثالث مجمع علیہ کے لیے مبطل ہو گا۔ جیسے کہ کعبۃ اللہ کے اندر نفل اور فرض نماز کا مسئلہ ہے حنفیہ کے نزدیک دونوں جائز ہیں اور شافعیہ کے نزدیک صرف نفل جائز ہیں فرض نہیں۔ پس نفل کے جواز پر اتفاق ہے۔ لہٰذا قول ثالث جو یا تو دونوں کے عدم جواز پر مشتمل ہو گا یا فرض کے جواز اور نفل کے عدم جواز پر مشتمل ہو گا اجماع کے مخالف ہو گا۔

تلفیق فی التقلید

اس عنوان کو استعمال کیے بغیر اگرچہ اس سے متعلق ضروری مباحث تقلید شخصی کے ذیل میں آچکے ہیں لیکن چونکہ فقہاء کے ہاں اس اصطلاح کا استعمال پایا جاتا ہے اور اس کی قسمیں ہیں جائز و ناجائز ہیں اور نیز موجودہ دور میں ہمارے ہاں بھی اور بلاد عرب میں بھی ایسے لوگ [illegible] کام لیتے ہیں لیکن اس کی شرائط کو نظر انداز کر جاتے ہیں جس کی بناء پر مفسدہ کی راہ مفتوح ہوتی ہے لہٰذا اس عنوان کو مستقل طور پر زیر بحث لاتے ہیں۔

تقلید میں تلفیق اس امر کو کہیں گے کہ مقلد کسی ایک امام کا قول لے لے اور کبھی دوسرے کا گویا دوسرے لفظوں میں یہ تقلید مطلق کی صورت ہوگی اگرچہ آتی بات عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ یہ ائمہ اربعہ کے دائرہ میں رہے گی۔

تقلید شخصی کی بحث میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس کا ثبوت حدیث پاک سے ہے۔ اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا اس پر تعامل بھی تھا۔ خیر القرون کے بعد اس کو واجب قرار دیا گیا کیونکہ لوگوں کی حالت کے متغیر ہو جانے سے وہ پانچ امور مذکورہ کہ جو دین میں واجب لذاتہ تھے ان کو پورا کرنا تقلید شخصی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اور چونکہ مقدمۃ الواجب واجب لہٰذا تقلید شخصی کو واجب یعنی واجب لغیرہ قرار دیا گیا اور اس وقت سے اب تک امت کا اسی پر تعامل متوارث چلا آرہا ہے

تنبیہ بعض حوالہ جات میں جو یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی ایک امام کا اتباع لازم و واجب نہیں تو اس سے مراد ہے کہ واجب لذاتہ نہیں۔ اس سے اس کے واجب لغیرہ ہونے کی نفی نہیں نکلتی کیونکہ ایسا کہنے والے خود چند شرائط عائد کرتے ہیں جن کا مطلب یہ ہوا کسی ایک متعین امام کا اتباع یعنی تقلید شخصی ان شرائط کے ہوتے ہوئے واجب نہیں۔ اور اگر ان شرائط کا لحاظ نہ رکھا جائے یا وہ مفقود ہوں تو پھر تقلید شخصی واجب ہوگی۔

شرح المہذب میں ہے: کیا عامی پر لازم ہے کہ وہ ایک متعین مذہب اختیار کرے کہ امی کے عزائم در خصتوں پر عمل کرے؟ بدر ان نے اس کے جواب میں دونوں صورتیں نقل کی ہیں۔

اول: اس پر لازم نہیں ہے جیسا کہ خیر القرون میں یہ واجب ولازم نہ تھا کہ کسی ایک عالم کو تقلید کے لیے مخصوص کرلے۔

دوم: اس پر لازم ہے۔ اسی پر ابوالحسن الکیا نے جزم کیا ہے اور یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو فقہاء اور دیگر ارباب علوم کے مرتبہ اجتہاد کو نہ پہنچا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس کے لیے اجازت ہو کہ جس مذہب کی چاہے اتباع کرے تو یہ اجازت اس کا سبب بنے گی کہ وہ نفس پرستی میں مبتلا ہوتے ہوئے مذاہب کی رخصتوں کو لے لے اور یوں تحلیل و تحریم اور وجوب و جواز کے مابین اختیار حاصل کرلے۔ اور یہ بات تکلیف کے مقصد ہی کو زائل کرنے والی ہے بخلاف عصر اول کے کہ اس وقت مذاہب پورے طور پر مہذب و مدون نہ تھے (اور اتباع خواہش کا بھی اندیشہ نہ تھا) پس اس بناء پر لازم ہے کہ وہ متعین طور پر کسی ایک مجتہد کو تقلید کے لیے اختیار کرلے۔" [1]

فیض القدیر[2] شرح جامع الصغیر میں علامہ عبدالرؤوف مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور غیر مجتہد پر واجب ہے کہ وہ ایک معین مذہب کی تقلید کرے۔ حدیث پاک اختلاف امتی رحمۃ سے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال کا جواز ملتا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک بھی صحیح قول جواز کا ہے لیکن صحابہ اور ایسے تابعین کی تقلید جائز نہیں جن کا مذہب مدون نہیں جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس کا مذہب مدوّن نہیں اس کی تقلید جائز نہیں۔ پس ائمہ اربعہ کے علاوہ اوروں کی تقلید قضاء و افتاء میں منع ہے کیونکہ مذاہب اربعہ پھیلے اور تحریر میں آئے یہاں تک کہ ان کے مطلق کی تقیید اور ان کے عام کی تخصیص ظاہر ہوگئی۔ بخلاف دیگر مجتہدین کے کہ ان کے پیروکار باقی نہ رہے۔

سبکی رحمہ اللہ نے کہا کہ ایک مذہب سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے والوں کے مختلف احوال ہیں۔

---

[1] مقدمہ اعلاء السنن: ج ۲، ص ۲۲۳۔

[2] ج ۱، ص ۲۱۰-۲۱۱۔

۱۔ مذہب غیر کے راجح ہونے کا اعتقاد کرلے تو اس کے لیے اپنے گمان کے مطابق راجح کی پیروی کے لیے اس پر عمل جائز ہوگا۔

۲۔ مذہب غیر کی تقلید سے اس کا مقصد رخصت کو حاصل کرنا ہے ایسی ضرورت کی بنا پر جو اس کو لاحق ہوگئی ہو۔ تو جائز ہے۔

۳۔ مقصد مجرد رخصتوں کو تلاش کرنا ہے۔ اس صورت میں جائز نہیں کیونکہ یہ اتباع نفس ہے اتباع دین نہیں۔

۴۔ اس سے بھی ایک درجہ آگے بڑھ کر رخصتوں کی اتباع کو اپنی عادت ہی بنالے۔ اس حالت میں تو اور شدت سے ناجائز ہوگی۔

۵۔ تقلید غیر سے ایسی حقیقت مرکبہ وجود میں آتی ہو جو اجماع کے مخالف ہو۔ اس حالت میں بھی ناجائز ہے۔

۶۔ اول مجتہد کی تقلید پر عمل کرے مثلاً کوئی حنفی شفعہ جوار کا دعویٰ کرے اور اس کی بناء پر زمین حاصل کرلے۔ پھر اس زمین کا کوئی مستحق نکل آئے۔ اور اب یہ ارادہ کرے کہ امام شافعیؒ رحمہ اللہ کی تقلید کرے۔ تو اس حالت میں اس کے لیے امام شافعیؒ رحمہ اللہ کی تقلید منع ہوگی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ رخصتوں کی تلاش جو منع ہے تو اس وقت جب کہ مصلحت دینیہ مدنظر نہ ہو۔ ورنہ منع نہیں جیسے کہ غائب کا مال بیچنا کیونکہ سبکی رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ اس میں امام شافعیؒ رحمہ اللہ کی تقلید اولیٰ کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں میں لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ الامر اذا ضاق اتسع۔

حنفیہ مطلقاً منع انتقال کی طرف گئے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ اجتہاد و برہان کی بناء پر ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے والا گناہگار ہے اور اس کو تعزیر کی جائے گی۔ اور بغیر اجتہاد و برہان کے تو بطریق اولیٰ ناجائز اور قابل تعزیر ہوگا۔ پھر انتقال کی حقیقت کا تحقق مسئلہ خاصہ کے حکم میں ہوتا ہے جس میں اس نے تقلید کرکے عمل کرلیا ہو ورنہ اس کا محض یہ کہنا کہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید ان مسائل میں کرتا ہوں جن میں ان کا فتویٰ موجود ہے یا یہ کہے کہ میں نے اجمالاً ان کا

التزام کیا ہے جب کہ وہ ان کی صورتوں سے ناواقف ہو۔ حقیقتاً "تقلید نہ ہوگی بلکہ محض وعدہ ہوگا پھر آگے فرمایا کہ یہ التزامات لوگوں کو رخصتوں کے تلاش کرنے سے روکنے کے لیے ہیں۔

مالکیہ نے چند شرطوں کے ساتھ انتقال فی المذہب کو جائز کیا ہے۔ تنقیح قرافی میں علامہ یحیی زناتی رحمہ اللہ سے منقول ہے:

حوادث میں اہل مذاہب میں سے ہر ایک کی تقلید جائز ہے۔ اسی طرح ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال بھی جائز ہے لیکن تین شرائط کے ساتھ۔

۱۔ اس طور پر دونوں مذہبوں کو جمع نہ کرے کہ اجماع کی مخالفت لازم آئے جیسا کہ کوئی شخص بغیر مہر ولی اور گواہ کے نکاح کرے کیونکہ ایسا قول کسی نے بھی نہیں کیا۔

۲۔ جس کی تقلید کر رہا ہے اس کے بارے میں فضیلت کا اعتقاد رکھے کہ اس کو روایت پہنچی ہے۔

۳۔ رخصتوں کو تلاش نہ کرے۔

حنابلہ سے جو کچھ منقول ہے اس سے بھی مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ جواز پر دلالت ہوتی ہے۔

مقدمہ اعلاء السنن القواعد فی علوم الفقہ میں ہے۔[1]

جان لو کہ مجتہدین کے اقوال کے مابین تلفیق اگر مبطل اجماع ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔ اس کی نظیر اس شخص کی نماز ہے جس نے وضو کے بعد پچھنے لگوائے (یعنی خون نکلوایا) اور عورت کو چھوا اور بغیر تجدید وضو کے نماز پڑھی تو یہ نماز بالاجماع باطل ہے۔ اسی طرح اس شخص کی نماز کا معاملہ ہے جو خون نکلوانے میں امام شافعیؒ رحمہ اللہ کا قول لے لے اور نماز میں فاتحہ کی عدم رکنیت کا قائل امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وجہ سے ہوا اور محض قرآن کی ایک آیت پر اکتفاء کرتے ہوئے سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو یہ نماز بالاجماع باطل ہے امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے نزدیک ترک فاتحہ کی وجہ سے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بے وضو ہونے کی وجہ سے یہی حکم ایک عمل میں تلفیق کا ہے۔

---

[1] مقدمہ اعلاء السنن: ج ۲، ص ۱۹۷—۱۹۸

اگر دو عملوں میں تلفیق کرے بایں طور کہ وضو کے بعد خون نکلوائے اور بغیر تجدید وضو کے نماز پڑھ لے اور فاتحہ کا ترک نہ کرے۔ اور دوسری نماز کو وضو کے اعادہ سے ادا کرے اور اس میں صرف ایک آیت پر اقتصار کرے تو یہ جائز ہے۔

درر میں ہے ان الحکم الملفق باطل بالاجماع یعنی تلفیق شدہ حکم بالاجماع باطل ہے۔ اس پر ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حکم سے مراد حکم وضعی ہے جیسے کہ صحت۔ اس کی مثال یہ ہے کہ متوضی کے بدن سے خون بہے اور وہ عورت کو چھوئے پھر نماز پڑھ لے چونکہ اس کی نماز کی صحت مذہب شافعیؒ اور مذہب حنفی سے ملفق ہے اور تلفیق باطل ہے تو اس نماز کی صحت بھی اس وقت منتفی ہے۔ ——— جو ہم نے ذکر کیا اس سے یہ بات حاصل ہوئی کہ انسان پر مذہب معین کا التزام واجب (یعنی لذاتہ) نہیں ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ایک مسئلے میں اپنے امام کے مذہب پر عمل کرنے کے بعد دوسرے امام کے مذہب پر عمل کسی اور موقع پر کر سکتا ہے جب کہ تمام شرائط کو پورا کر رہا ہو (اور اگر شرائط پوری نہ ہو رہی ہوں تو جائز نہ ہوگا) تو یہ دو مختلف واقعات پر عمل ہوا جس میں ایک کا دوسرے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس میں بعینہٖ اس عمل کا ابطال ہے جو اس نے دوسرے امام کی تقلید میں کیا ہے کیونکہ فعل کا گزرنا مثل قاضی کے نافذ کر دینے کے ہے جو توڑا نہیں جا سکتا۔

نیز درر میں ہے کہ ضرورت کے وقت غیر کی تقلید میں کوئی حرج نہیں البتہ اس کی شرط یہ ہے کہ ان تمام باتوں کا التزام کیا جائے جن کا اس امام نے ایجاب کیا ہے بوجہ اس قاعدے کے کہ ان الحکم الملفق باطل بالاجماع ابن عابدین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ رحمہ اللہ نے تقدیم نماز کے لیے تین شرطیں عائد کی ہیں (۱) پہلی نماز کو مقدم کرے (۲) پہلی نماز کی فراغت سے پیشتر جمع کی نیت کرے (۳) دونوں نمازوں کے درمیان کوئی ایسا کام نہ کرے جس کو عرف میں فاصل سمجھا جاتا ہو ——— اور جمع تاخیری میں صرف پہلی نماز سے فراغت سے پیشتر جمع کی نیت کرنا شرط ہے۔ اور نیز شرط ہے کہ نماز میں فاتحہ پڑھے اگرچہ مقتدی ہو اور یہ کہ اپنی شرمگاہ یا کسی اجنبیہ کو چھونے پر وضو کا اعادہ کرے۔ اسی طرح اور دوسرے شرائط و ارکان ہیں جن کا تعلق اس فعل و عمل سے ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی عقد الجید[1] میں اس موضوع سے متعلق بحث کی ہے لکھتے ہیں کہ متبحر فی المذہب کسی مسئلے میں دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے اپنے امام کے مذہب کے خلاف عمل کرنا چاہے تو کیا اسے اجازت ہے؟ اس میں اختلاف ہے غزالی رحمہ اللہ اور ایک جماعت نے اس سے منع کیا ہے لیکن جمہور کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے اکثر جن میں سے آمدی ابن حاجب ابن ہمام اور نووی وغیرہ ہیں رحمہم اللہ کا قول جواز کا ہے ..... لیکن ان میں پھر شرط جواز میں اختلاف ہے۔

۱۔ بعض نے کہا کہ جس میں تقلید کر چکا اس میں بالاتفاق رجوع نہ کرے ابن ہمام رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر کی کہ اس پر عمل کر لیا ہو..... لیکن اس قول کو رد کیا گیا کہ اکثر سلف سے روایت کیا گیا کہ وہ جس مذہب پر پہلے عمل کر چکے تھے اس کے خلاف کیا۔

۲۔ بعض نے کہا کہ رخصتیں تلاش نہ کرے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے جو آسان ہو ــــ اس قول کو رد کیا گیا بایں طور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اختیار دیا جاتا تو اگر گناہ نہ ہوتا تو آپ آسان کو اختیار کرتے تھے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے کہ جس کی تقویت دلیل سے نہ ہو بلکہ دلیل اس کے خلاف قائم ہو جیسے متعہ وغیرہ

۳ بعض نے یہ شرط بیان کی ہے کہ عمل کنندہ ایسی تلفیق نہ کرے جس سے دونوں اماموں کے نزدیک ایک شکل بن جائے۔

ایک قول یہ ہے کہ جو ممنوع ہے وہ وہ مرکب شکل ہے جو ایک مسئلے میں حاصل ہو جیسے بلا ترتیب وضو کیا پھر اس کے جسم سے خون بہہ پڑا ــ وہ ممنوع نہیں جو دو مسئلوں میں ہو جیسے کسی نے مذہب شافعیؒ پر کپڑا پاک کیا اور مذہب حنفی پر نماز پڑھی۔

۴۔ بعض نے یہ شرط رکھی کہ وہ مسئلہ ایسا نہ ہو جس سے قضاء قاضی ٹوٹ جاتی ہو یہ عمدہ بات ہے۔ اس سے احتراز اس وقت ہو سکتا ہے جب مشہور و مقبول مذاہب اربعہ میں سے

---

[1] فصل سوم مسئلہ سوم

کسی کی تقلید کرے۔

آگے شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اپنے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب پر عمل کے جواز کے لیے میں یہ شرط پسند کرتا ہوں کہ اس سے قضاء قاضی نہ ٹوٹتی ہو خواہ وہ ٹوٹنا ایسے دو معنی کے اجتماع کی وجہ سے ہو جن میں ہر ایک صحیح ہو مثلاً نکاح بغیر مجتمع گواہوں کے اور بغیر اعلان کے یا اور کسی وجہ سے۔ اور پسندیدگی و اختیار کی شرائط یہ ہیں دلیل میں کسی معنی کے لیے انشراح صدر ہونا۔ یا سلف میں اس پر عمل کرنے والوں کا زیادہ ہونا یا اس کا احتیاط سے زیادہ قریب ہونا یا اس کے باعث ایسی تنگی سے حصول نجات ہوتا ہو جس کے ہوتے ہوئے اس ارشاد گرامی پر عمل ناممکن ہو کہ اذا امرتکم بامر فاتوا منه ما استطعتم (جب میں تم کو کوئی حکم دوں تو تم اپنی استطاعت بھر اس کو بجا لاؤ) اور ایسے ہی اور شریعت کے معانی معتبرہ ہوں صرف خواہش نفس اور طلب دنیا نہ ہو"

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی اسی کتاب عقد الجید میں عامی کے بیان کی فصل میں لکھتے ہیں۔

کرابسی رحمہ اللہ قطعی طور پر کہتے ہیں کہ عامی پر واجب ہے کہ وہ مذہب معین کا التزام کرے اور جمع الجوامع میں بھی اس کا واجب ہونا پسند کیا ہے لیکن یہ التزام صرف خواہشات کے لیے نہ ہو بلکہ ایک مذہب کی ہر ہر مسئلے میں تقلید کرے اور اس کے بارے میں راجح یا دوسرے کے مساوی ہونے کا اعتقاد رکھے مرجوح ہونے کا اعتقاد نہ رکھے۔

نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دلیل کا مقتضا یہ ہے کہ کسی مذہب کا التزام نہ کرے بلکہ جس سے چاہے رخصتوں کو تلاش کیے بغیر فتویٰ دریافت کرے شاید کہ جس نے منع کیا ہے اس نے عامی کے رخصتوں کے تلاش نہ کرنے پر اعتماد نہیں کیا۔ اور جب اس نے کسی مذہب معین کا التزام کر لیا تو صحیح تر یہی ہے کہ اس سے خروج جائز ہے۔

اس کلام سے معلوم ہوا کہ جب تک رخصتوں کو تلاش کرنے کی نیت نہ ہو عامی کے لیے مختلف مجتہدین سے مختلف مواقع پر مسئلہ پوچھنا جائز ہے جیسا کہ خیر القرون میں تھا۔ لیکن اب جبکہ لوگوں کے حالات متغیر ہو چکے ہیں اور اکثر غرض پرستی پائی جاتی ہے فتویٰ یہی ہے کہ صرف ایک ہی مجتہد

سے ہر موقع پر مسئلہ پوچھے ۔ دوسرے نقطوں میں تقلید شخصی کرے اور یہی واجب ہے ۔ رہے وہ لوگ جن کے بارے میں اطمینان بھی ہو کہ غرض کے بندے نہیں ہیں تو ان کو بھی تلفیق سے روکا جائے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ انتظامی احکام جو مفاسد سے بچانے کے لیے ہوں ان میں اعتبار اکثر ہی کا ہوتا ہے اور اکثر کی حالت پر نظر کر کے حکم عام ہی دیا جاتا ہے اور یہی معنی ہیں فقہاء کے اس قول کے کہ جس امر میں عوام کو ایہام ہو وہ خواص کے حق میں بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔

ہاں اگر ضرورت شدیدہ ہو تو اصحاب علم و فقہ اس میں غور فکر کر کے کسی دوسرے امام کے قول کو بجمیع شرائط لے کر فتویٰ دے سکتے ہیں۔

خلاصہ[1] کلام یہ ہے کہ تلفیق کے جائز ہونے کی چند شرطیں ہیں:

۱۔ مذہب غیر پر عمل کرنا ضرورت شدیدہ کی بناء پر ہو۔

۲۔ اتباع ہوا کی بنا پر نہ ہو۔ اس شرط پر پوری امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فاسق گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا پھر عورت کو تین طلاقیں دے دیں پھر چاہا کہ حرمت مغلظہ سے چھٹکارا حاصل کرے اس طریقے پر کہ وہ نکاح امام شافعیؒ رحمہ اللہ کے مذہب پر فاسد تھا لہٰذا طلاق نہیں پڑی (کہ نکاح ہی درست نہ تھا) فرمایا: یہ قول مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے کیونکہ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو شخص کسی شے کی حلت کا اعتقاد رکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ وہی اعتقاد رکھے خواہ وہ اس کی غرض کے موافق ہو یا مخالف۔ اور جو شخص کسی شے کی حرمت کا اعتقاد رکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ دونوں حالتوں میں وہی اعتقاد رکھے اور یہ طلاق دینے والے نکاح کے بسبب دلی (یعنی گواہ) کے فسق کے فاسد ہونے کا ذرا فکر نہیں کرتے مگر تین طلاقیں دینے پر۔

محض اپنی غرض و خواہش کے لیے کبھی تو ایسے کی تقلید کر لیتے ہیں جو اس کو فاسد قرار دے اور کبھی ایسے کی تقلید اختیار کرتے ہیں جو اس کو صحیح قرار دے۔ اور ایسی بات پر امت کا اتفاق

---

[1] مقدمہ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ : مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ۔

ہے کہ جائز نہیں۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں۔ اگر مستفتی یوں کہے کہ مجھے پہلے اس کا علم نہیں تھا اور اب میں اس کا التزام کرتا ہوں تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی کیونکہ یہ چیز تلاعب بالدین کا دروازہ کھولتی ہے اور یہ چیز ذریعہ بنتی ہے کہ تحریم و تحلیل بس اغراض کے تابع ہو جائیں"۔

ضرورت شدیدہ کی شرط بھی توجہ طلب ہے کہ واقعتاً ضرورت ہو جس کا اندازہ و فیصلہ ہر کس و ناکس نہیں بلکہ صرف وہ اصحاب علم و فہم کر سکتے ہیں کہ جن کی نظریں مسئلہ کے جمیع پہلوؤں پر ہوں۔

۳۔ تلفیق خارق اجماع نہ ہو حتیٰ کہ صاحب درمختار نے اس پر اجماع بایں الفاظ بیان کیا ہے ان الحکم الملفق باطل بالاجماع اس شرط کی تفاصیل پہلے گزر چکی ہیں ـــــ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ الحیلۃ الناجزۃ میں فرماتے ہیں:۔

ہمارے نزدیک ان اقوال مختلفہ میں سے یہ قول اعدل الاقوال ہے کہ عمل واحد میں تلفیق خارق اجماع کی اجازت نہ ہو اور دو عمل جداگانہ ہوں تو ان میں تلفیق کی اجازت دی جائے گی گو ظاہراً خلاف اجماع لازم آتا ہو مثلاً کوئی شخص بے ترتیب وضو کرے تو شافعیہ کے نزدیک وضو صحیح نہیں اور کوئی شخص چوتھائی سر سے کم مسح کرے تو حنیفہ کے نزدیک وضو نہیں ہوتا۔ پس اگر کوئی شخص اس طرح وضو کرے کہ ترتیب کی رعایت نہ ہو اور مسح چوتھائی سر سے کم کا کرے تو کسی کے نزدیک بھی وضو نہیں ہوا اور تلفیق خارق اجماع ہے ـــــ اور اگر کسی نے وضو میں چوتھائی سر سے کم کا مسح کیا اور نماز میں فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی تو ظاہراً اس صورت میں بھی خرق اجماع لازم آتا ہے کہ وضو شافعیہ کے مذہب پر ہے اور نماز حنفیہ کے مذہب پر مگر وضو جدا عمل ہے اور نماز جدا۔ اس واسطے یہ تلفیق منع نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مصادر و مراجع

۱۔ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد ـــــ از مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

۲۔ تقلید کی شرعی حیثیت ـــــ از مولانا تقی عثمانی ۔

۳۔ خلاصۃ التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق ـــــ از علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ۔

۴۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر ـــــ از مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ

۵۔ مقدمہ عمدۃ الرعایہ علی شرح الوقایۃ ـــــ از مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ

۶۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ـــــ از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔

۷۔ عقد الجید فی ادلۃ الاجتہاد والتقلید ـــــ از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔

۸۔ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ ـــــ از مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ

۹۔ مقدمہ اعلاء السنن ـــــ قواعد فی علوم الفقہ

۱۰۔ فیض القدیر علی الجامع الصغیر لعلامۃ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ

۱۱۔ التوضیح ـــــ صدرالشریعۃ رحمہ اللہ

۱۲۔ التلویح علی التوضیح ـــــ سعدالدین التفتازانی رحمہ اللہ

۱۳۔ تیسیر التحریر ـــــ علامہ محمد امین المعروف بامیر بادشاہ رحمہ اللہ

۱۴۔ اصول الفقہ ـــــ بدران ابوالعینین بدران مطبوعہ مصر

۱۵۔ مقالہ التلفیق بین احکام المذاہب ـــــ شیخ محمد احمد فرج السنہوری